بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

شمارہ نمبر ۱۹ | ۱۰/اگست ۲۰۲۱ء مطابق ۳۰/ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ | جلد نمبر ۵۸

اس شمارے میں

شعروادب		
پھر دکھا مولیٰ مجھے صبح کرم	حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ	۴
اداریہ		
خدا کو اپنے بندوں سے پیار ہے!	شمس الحق ندوی	۵
دین رحمت		
احترام انسانیت اور انسان کی قدر و قیمت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۶
سعادت دارین		
ایمان و مادیت کی کشمکش	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۹
اصلاح حال		
سماجی بیماریاں اور ان کا علاج	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۲
ایمان کامل		
عقیدۂ توحید سب سے بڑی طاقت	مولانا سید محمد الحسنی علیہ الرحمہ	۱۵
تاریخ وتذکرہ		
ہندوستان میں اسلامی حکومت	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ	۲۰
ہمارا سماج		
ایک مہلک و تکلیف دہ بیماری	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۰
محاسن اسلام		
غلط فہمیوں کا ازالہ اور تعارف اسلام	مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری	۲۳
تذکیرو ارشاد		
انسانی بداعمالیوں کے اثرات و نتائج	مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۴
فکر و عمل		
حکمت و دانائی بیش بہا نعمت	ڈاکٹر عائشہ یوسف	۲۸
فقہ و فتاویٰ		
سوال و جواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❀ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❀ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے- 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر -/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

پھر دکھا مولیٰ مجھے صبح کرم

حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ

احمد عاصی پہ ہو مولیٰ کرم — تیری رحمت کی نہیں حد لاجرم
اور کوئی دوسرا مالک نہیں — جز ترے کس سے کریں فریاد ہم
یہ دعا عاجز کی اب مقبول ہو — عرض ہے تجھ سے یہی باچشم نم
وہ بھی دن آئے مرے اللہ! اب — جب روانہ میں ہوں پھر سوئے حرم
اے مرے اللہ! ارض پاک پر — ڈرتے ڈرتے پھر پڑیں میرے قدم
پھر نہاؤں بارشِ انوار میں — پھر دکھا مولیٰ! مجھے صبح کرم
ہر طرف ہے ان کے جلوؤں کی بہار — مرحبا صل علیٰ شام حرم
ان کے دَر پر پھر ہو میری حاضری — تو نے جن کے جان کی کھائی قسم
سرور عالمؐ کے صدقے میں کریم — روح کی راحت کے ساماں ہوں بہم
وصل کی لذت سے اب مسرور کر — بھول جاؤں ہجر کے سب درد و غم
ہائے کب تک ہجر میں تڑپا کروں — کھینچ لے اب کھینچ لے ارض حرم
پھر مقدر پر ہو اپنے مجھ کو ناز — پھر دکھادے یا الٰہی ملتزم
کاش یہ دولت ہو پھر مجھ کو نصیب — میری پیشانی ہو اور تیرا قدم
کون طیبہ کے لیے بیتاب ہے؟ — قلب مضطر سے صدا آئی کہ ہم

☆☆☆☆☆

اداریہ

خدا کو اپنے بندوں سے پیار ہے!

شمس الحق ندوی

تصور فرمائیے: لڑائی کا میدان ہے، دشمنوں میں بھاگ دوڑ مچی ہے جس کو جہاں امن کا گوشہ نظر آتا ہے اپنی جان بچا رہا ہے، بھائی بھائی سے، ماں بچہ سے، بچہ ماں سے الگ ہے، اسی حال میں ایک عورت آتی ہے، اس میدان حشر میں اس کا بچہ گم ہو گیا ہے، محبت کی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ جو بچہ بھی اس کو سامنے نظر آجاتا ہے، بچہ جوش محبت میں اس کو چھاتی سے لگا لیتی ہے اور اس کو دودھ پلا دیتی ہے۔ رحمۃ للعالمین کی نظر پڑتی ہے، صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت اپنے بچہ کو خود اپنے ہاتھوں دہکتی آگ میں ڈال دے، لوگوں نے عرض کیا: ہرگز نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو جتنی محبت ماں کو اپنے بچہ سے ہے، خدا کو اپنے بندوں سے اس سے بہت زیادہ محبت ہے۔ [صحیح بخاری]

ایک مرتبہ ایک غزوہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں، ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لے کر سامنے آتی ہے اور عرض کرتی ہے یا رسول اللہ! ایک ماں کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے، کیا خدا کو اس سے زیادہ نہیں ہے؟ فرمایا: ہاں! بیشک اس سے زیادہ ہے، بولی تو کوئی ماں اپنی اولاد کو خود آگ میں ڈالنا گوارا نہ کرے گی۔

یہ سن کر فرط اثر سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا، خدا اسی بندہ کو سزا دیتا ہے جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے۔ [سنن نسائی]

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لایسعنی أرضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب مؤمن" (میرے لیے زمین و آسمان بھی کافی نہیں، لیکن میں اپنے مومن بندہ کے دل میں سما جاتا ہوں)، اس کو اردو کے ایک شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے:

سماتے نہیں وہ تو ارض و سما میں
مرے دل میں کیسے سمائے ہوئے ہیں

معلوم ہوا کہ بندۂ مومن کا دل وہ حرم ہے جس میں اللہ کی رضا اور محبت کے سوا کسی اور چیز کی محبت نہیں داخل ہونی چاہیے، اگر کسی اور سے محبت ہو تو اللہ ہی کے حکم کے مطابق ہو، مثلاً ماں باپ کی محبت، آل واولاد کی محبت، اعزہ واقربا کے تعلقات اور ان کے حقوق کی ادائیگی۔

اس میں کوئی غلو اور زیادتی ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ سے بے حد خوش ہوتا ہے جس کی حدیث شریف میں بڑی تفصیلات آئی ہیں اور واقعات بیان کیے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

"قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ أَسْرَفُوْا عَلَی أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً" (اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں سے کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے)۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو بندہ مومن حالت گناہ میں دنیا سے جاتا ہے اور اس کو وہاں کچھ عذاب دیا جاتا ہے تو اس طرح فریاد کرتا ہے جس طرح پانی میں ڈوبنے والا بچاؤ بچاؤ کی آواز لگاتا ہے، جب اس کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے تو میں اس کے ساتھ رحم کا معاملہ کرتا ہوں، اسی لیے مختلف طریقوں سے مردوں کے ایصال ثواب کا حکم ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے مومن بندوں سے محبت ہے، اس محبت خداوندی کے بعد بندۂ مومن کو اپنی زندگی اللہ ورسول کے بتائے ہوئے طریقہ پر گذارنے کی فکر ہونی چاہیے، جب انسان کمزوری کا شکار ہو جائے اور گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ واستغفار کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اس لیے کہ شیطان تو ہر وقت پیچھے لگا رہتا ہے کہ گناہوں میں مبتلا کرے۔

☆☆☆

دین رحمت

احترام انسانیت اور انسان کی قدر وقیمت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کا بڑا مظہر، اور نوع انسانی پر ایک احسان عظیم احترام انسانیت اور انسان کی قدر وقیمت کا وہ اسلامی تصور ہے جو آپ کا عطیہ اور اسلام کا تحفہ ہے، اسلام کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا، انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہوکر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور، بعض ''مقدس'' حیوانات لائق احترام اور قابل حفاظت تھے، ان کے لیے بے تکلف انسانوں کی جانیں لی جاسکتی تھیں، اور انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاسکتے تھے، آج بھی بعض بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کے دل ودماغ پر یہ نقش بٹھادیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی، قابل احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود ہے، قرآن نے انسان کا پایہ اتنا بلند کیا کہ اس سے اوپر صرف خالق کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے، قرآن نے اعلان کی کہ وہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے، ساری دنیا اور یہ سارا کارخانۂ عالم اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

مسئلہ کسی ایک ملک وقوم کا بھی نہیں تھا، نہ کسی ایک مغالطہ اور فریب کا تھا، مسئلہ انسانیت کی قسمت کا تھا، مسئلہ نوع انسانی کے مستقبل کا تھا، اگر کوئی مصور ایسی تصویر پیش کرے، جس میں دکھایا گیا ہو کہ نوع انسانی کی نمائندگی ایک انسان کررہا ہے، ایک حسین وجمیل پیکر، ایک فربہ وتوانا جسم، جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے، جس سے آدم کا نام زندہ اور اس کا سلسلہ قائم ہے، جو محسود ملائکہ ہے، اور مقصود آفرینش، جس کے سر پر خدا نے خلافت کا تاج رکھا ہے، اور جس کی وجہ سے یہ کرۂ ارضی ایک خرابہ اور ویرانہ نہیں ایک آباد اور گلزار جگہ ہے، اس انسان کے سامنے آگ کا ایک سمندر ہے، ایک نہایت مہیب خندق ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں، ہو انسان اس میں چھلانگ لگانے کے لیے تیار کھڑا ہے، اس پاؤں اٹھ چکے ہیں، اور وہ مائل بہ پرواز ہے، ایسا نظر آرہا ہے کہ چند لمحوں میں وہ اس کی اندھیریوں میں غائب ہوجائے گا، اگر اس دور کی ایسی تصویر کھینچی جائے تو اس کسی حد تک اس صورت حال کا اندازہ ہوسکتا ہے، جو بعثت کے وقت پائی جاتی تھی، اور اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے کہ:

''وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِنْھَا'' (اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، خدا نے تم کو اس بچالیا)۔

اور اسی بات کو نبوت نے ایک تمثیل میں بیان کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میری اس دعوت وہدایت کی مثال جس کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے، ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی، جب اس کی روشنی گردوپیش میں پھیلی تو وہ پروانے اور کیڑے جو آگ پر گرتے ہیں، ہر طرف سے امنڈ کر اس میں کودنے لگے، اسی طرح سے تم آگ میں گرنا اور کودنا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا اور علیحدہ کرتا ہوں''۔

حقیقتاً اصل مسئلہ یہی تھا کہ انسانیت کی کشتی کو سلامتی کے ساتھ پار لگایا جائے، جب انسان اپنے صحیح ''موڈ'' میں آجائے گا، جب زندگی میں اعتدال اور توازن پیدا ہوجائے گا، تو ان سب تعمیری، فلاحی، علمی، ادبی اور ترقیاتی کوششوں اور منصوبوں کا دور آئے گا، جس کی صلاحیت مختلف انسانوں اور انسانیت کے بہی خواہوں میں پائی جاتی ہے، حقیقتاً ساری دنیا پیغمبروں کی احسان مند ہے کہ انھوں نے نوع انسانی کو ان خطرات سے بچالیا جو اس کے سر پر ننگی تلوار کی طرح لٹک رہے تھے، دنیا کا کوئی علمی تعمیری اصلاحی کام، کوئی فلسفہ، کوئی دبستان فکر، ان کے احسان سے سبک دوش نہیں، سچ پوچھیے تو موجودہ دنیا اپنی بقا اور ترقی اور زندگی کے استحقاق میں پیغمبروں ہی کی رہین منت ہے، انسانوں نے زبان حال سے کئی مرتبہ یہ اعلان کیا کہ اب ان کی فادیت ختم ہوگئی اور اب وہ دنیا کے لیے اور اپنے لیے کوئی نافعیت، برکت ورحمت اور کوئی پیغام اور دعوت نہیں رکھتے، انھوں نے خلاف خدا کی عدالت میں خود نالش کی اور گواہی دی، ان کی مسل تیار تھی، اور وہ اپنے کو بڑی سے بڑی سزا بلکہ سزائے موت کا مستحق ثابت کرچکے تھے۔

جب تمدن اپنے حدود سے تجاوز کرجاتا ہے،

جب وہ اخلاقیات کو یکسر فراموش کر دیتا ہے، جب انسان اپنی سفلی خواہشات اور نفس کے حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے سوا ہر مقصد اور ہر حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے، جب اس کے پہلو میں انسان کے دل کے بجائے بھیڑیے اور چیتے کا دل پیدا ہو جاتا ہے، جب اس کے جسم میں ایک فرضی معدہ اور ایک لامحدود نفس امارہ جنم لیتا ہے، جب دنیا پر جنون کا دورہ پڑتا ہے تو قدرت خداوندی اس کو سزا دینے یا اس کے جنون کے نشہ کو اتارنے کے لیے نئے نئے نشتر اور نئے نئے جراح پیدا کرتی ہے:

کرتی ہے ملوکیت اندازِ جنوں پیدا
اللہ کے نشتر میں تیمور ہو یا چنگیز

آپ ملوکیت کے لفظ کو تمدن سے بدل دیجیے کہ تمدن کا بگاڑ اور تمدنی جنون، ملوکیت کے جنون سے زیادہ خطرناک اور زیادہ وسیع ہوتا ہے، ایک کمزور سا مریض اگر پاگل ہو جاتا ہے تو محلّہ کی نیند حرام کر دیتا ہے، اور سارا محلّہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے، آپ تصور کیجیے کہ جب نوع انسانی پاگل ہو جائے اور جب تمدن کا قوام بگڑ جائے، جب انسانیت کا مزاج خراب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

جاہلیت میں تمدن صرف بگڑا ہی نہیں تھا، متعفن ہو گیا تھا، اس میں کیڑے پڑ گئے تھے انسان، نوع انسانی کا شکاری بن گیا تھا، اس کو کسی انسان کی جانکنی، کسی زخمی کی تڑپ اور کسی مصیبت زدہ کی کراہ میں وہ مزا آنے لگا تھا، جو جام وسبو میں، اور دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے اور خوش نما سے خوش نما منظر میں نہیں آتا تھا، آپ روما کی تاریخ پڑھیں جس کی فتوحات نظم ونسق اور قانون سازی اور تہذیب کے، دنیا میں ڈنکے بجے، یورپین مؤرخ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''اہل روما کے لیے سب سے زیادہ دلچسپ فرحت افزا اور مست کر دینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا، جب باہم شمشیر زنی یا خونخوار جانوروں کی لڑائی میں ہزیمت خوردہ اور مجروح شمشیر زن (GLADIATOR) جانکنی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا، اور موت کے کرب میں آخری ہچکی لیتا، اس وقت روما کے خوش باش اور زندہ دل تماشائی اس خوش کن منظر کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور پولیس کو بھی ان کو کنٹرول میں رکھنا ممکن نہ ہوتا۔

رومی عہد کی سیافی جس میں انسان کو جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا، انسانی شقاوت وسنگدلی بدترین مثال پیش کرتی ہے، لیکن یہ صرف اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کا محبوب مشغلہ تھا، ''تاریخ اخلاق'' یورپ کے مصنف لیکی ان کھیلوں کی ہر دلعزیزی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

سیافی کی یہ مقبولیت ودل فریبی اس لحاظ سے مطلق حیرت انگیز نہیں کہ دلکشی کے جتنے مناظر اس میں آکر مجتمع ہو گئے تھے اتنے کسی دوسرے کھیل میں نہ تھے۔ لق ودق اکھاڑہ، امراء واعیان، دولت کی زرق برق پوشاکیں، تماشائیوں کا انبوہ کثیر، ان کے ذوق وشوق کا اثر متعدی، اتنے بڑے مجمع میں ایک متوقع سکون وخاموشی، اسی ہزار زبانوں سے ایک بارگی صدائے تحسین بلند ہوتا، اس کی آواز سے شہر کیا معنی مضافات شہر تک گونج اٹھتا، جنگ کا گھڑی گھڑی رنگ بدلتے رہنا عدیم المثال جرأت وبے جگری کا اظہار، ان میں سے ہر شے تخیل کو متاثر کرنے کے لیے کافی ہے، اور ان کی مجموعی طاقت قدرتی طور بہت قوی ہے۔

ان ظالمانہ تفریحات کو روکنے کے لیے احکام جاری کیے گئے، لیکن یہ سیلاب اتنا پرزور تھا کہ کوئی بند اسے روک نہیں سکتا تھا۔

پس جاہلیت کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ پوری زندگی کی چولی اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی، بلکہ ٹوٹ گئی تھی، انسان، انسان نہیں رہا تھا، انسانیت کا مقدمہ اپنے آخری مرحلہ میں خدا کی عدالت میں پیش تھا، انسان اپنے خلاف گواہی دے چکا تھا، اس حالت میں خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اور ارشاد ہوا:

"وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ".
(اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام جہاں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے)۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دور بلکہ قیامت تک کا پورا دور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت، دعوت اور مساعی جمیلہ کے حساب میں ہے، آپ ؐ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ ؐ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی، اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کر دے، اس تلوار کو ہٹا لیا، اور اس کو وہ تحفے عطا کیے، جنھوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت اور نئی منزل سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب وتمدن، علم وفن، روحانیت واخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا، ہم یہاں پر آپ کے ان چند عطیوں کا ذکر کرتے ہیں، جنھوں نے نوع انسانی کی ہدایت واصلاح اور انسانیت کی تعمیر وترقی میں بنیادی اور قائدانہ کردار ادا کیا، اور جن کی بدولت ایک نئی دنیا وجود میں آئی۔

آپ ؐ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ

نے دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت عطا فرمائی ،اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش، عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ، دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا ہے اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے، یہ انسان جس کو شاعری، فلسفہ، اور سیاست میں بڑے بڑے دعوے ہیں، اور جس نے قوموں، ملکوں کو بارہا غلام بنایا، عناصر اربعہ پر اپنی حکومت چلائی، پتھر میں پھول کھلائے، اور پہاڑوں کا جگر کاٹ کر دریا بہائے اور جس نے کبھی کبھی خدائی کا بھی دعویٰ کیا، یہ اپنے سے کہیں زیادہ مجبور وذلیل، بے حس وحرکت، بے جان ومردہ اور بعض اوقات خود اپنی ساختہ پرداختہ چیزوں کے سامنے جھکتا تھا، ان سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا، یہ پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، ارواح وشیاطین اور مظاہر قدرت ہی کے سامنے نہیں، بلکہ کیڑوں، مکوڑوں تک کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا، اور اس کی پوری زندگی انہیں سے خوف وامید اور انہیں خطرات میں بسر ہوتی تھی، جس کا نتیجہ بزدلی، ذہنی انتشار، وہم پرستی اور بے اعتمادی تھا، آپ نے اس کو ایسے خالص، بے آمیز، سہل الفہم، حیات بخش عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جس سے وہ خدا کے سوا جو خالق کائنات ہے، ہر ایک سے آزاد، نڈر اور بے فکر ہوگیا، اس میں ایک نئی قوت، نیا حوصلہ، نئی شجاعت اور نئی وحدت پیدا ہوئی، اس نے صرف خدا کو کارساز حقیقی، حاجت روائے مطلق، اور نافع وضار (نفع پہنچانے والا اور نقصان پہنچانے والا) سمجھنا شروع کیا، اس نئی دریافت اور یافت سے اس کی دنیا بدل گئی، وہ ہر قسم کی غلامی سے وعبودیت اور ہر طرح کے بے جا خوف ورجا اور ہر طرح کے تشتت و انتشار سے محفوظ ہوگیا، اس کو کثرت میں وحدت نظر آنے لگی، وہ اپنے کو ساری مخلوقات سے افضل، ساری دنیا کا سردار ومنتظم اور صرف خدا کا محکوم اور فرمانبردار سمجھنے لگا، اس کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت وشرف کا قیام تھا، جس سے پوری دنیا محروم ہو چکی تھی۔

بعثت محمدیؐ کے بعد ہر طرف سے اس عقیدۂ توحید کی (جس سے زیادہ مظلوم ومجہول کوئی عقیدہ نہ تھا) صدائے بازگشت آنے لگی، دنیا کے سارے فلسفوں اور افکار وخیالات پر اس کا کم و بیش اثر پڑا، بڑے بڑے مذاہب جن کے رگ و ریشہ میں شرک اور تعدد آلہہ (متعدد خداؤں اور معبودوں) کا عقیدہ رچ بس گیا تھا، کسی نہ کسی لے میں یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے کہ خدا ایک ہے، وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہوئے، اور وہ اسلامی عقیدۂ توحید سے کچھ نہ کچھ ملتا ہوا نظر آئے، ان کو شرک کا اقرار کرنے شرم اور جھجک محسوس ہونے لگی اور ساری مشرکانہ نظام، فکر واعتقاد، احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) میں مبتلا ہوئے، اس محسن اعظم کا احسان اعظم یہ ہے کہ اس نے توحید کی نعمت دنیا کو عطا کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا انقلاب آفریں اور عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے جو آپؐ نے دنیا کو عطا کیا، انسان قوموں، برادریوں، ذات پات اور اعلیٰ ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا، اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عبد ومعبود کا سا فرق تھا، وحدت ومساوات کو کوئی تصور نہ تھا، آپؐ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا۔

أیها الناس ان ربکم واحد وان أباك واحد، کلکم لآدم وآدم من تراب، ان أکرمکم عند اللہ أتقاکم، ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقوی. (لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنا پر)۔

یہ وہ الفاظ ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے آخری حج میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عظیم مجمع میں فرمائے تھے، ان میں، دو وحدتوں کا اعلان کیا گیا ہے، اور یہی وہ دو فطری مستحکم اور دائمی بنیادیں ہیں، جن پر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا قصر تعمیر کیا جا سکتا ہے، اور جس کے سائے کے نیچے انسان کو امن وسکون حاصل ہو سکتا ہے، اور وہ اشتراک عمل اور تعاون کے اصول پر انسانیت کی تعمیر نو کا کام انجام دے سکتا ہے، یہ دو وحدتیں کیا ہیں؟ اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا راشتہ رکھتا ہے، ایک روحانی اور حقیقی طور پر، وہ یہ کہ سب انسانوں اور جہانوں کا رب ایک ہے، دوسرا جسمانی اور ثانوی طور پر، وہ یہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں، دوسرے الفاظ میں توحید ”رب“ اور توحید ”اب“ کی تعلیم دی، جس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے: ”الرب واحد والأب واحد“ رب (پروردگار) بھی ایک ہے، اور اب (والد بزرگوار) بھی ایک۔

☆☆☆☆☆

سعادت دارین

ایمان ومادیت کی کشمکش

سورۂ کہف میں بیان کردہ چند بصیرت افروز وچشم کشا حقائق وواقعات

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

احادیث میں سورۂ کہف کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے، جمعہ کے دن اس سورہ کی تلاوت کا اہتمام کرنے کی بالخصوص ہدایت ہے، ارشادِ نبویؐ ہے:

"من قرأ سورة الكهف ليلة الجمعة أضاء له من النور فيما بينه وبين البيت العتيق." [سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل سورۃ الکہف: ۳۴۷۰] (جس نے جمعہ کی رات سورۂ کہف پڑھی تو اس کے اور بیت اللہ کے درمیان میں ایک روشنی ہوجاتی ہے)۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ سورۂ کہف دجال کے فتنہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے:

"من حفظ عشر آيات من أول سورة الكهف عصم من الدجال." [صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل سورۃ الکہف: ۱۹۱۹] (جس نے سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کرلیں تو اسے دجال کے فتنہ سے محفوظ کرلیا گیا)۔

"إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" [الکہف: ۷] (زمین پر جو بھی ہے اس کو ہم نے اس کے لیے زینت بنادیا ہے تاکہ ہم جانچ لیں کہ ان میں کون بہتر سے بہتر عمل کرنے والا ہے)۔

اس سورت کا دجال کے فتنہ سے خاص تعلق معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ جو مضامین اس کے اندر بیان کیے گئے ہیں وہ دجال کے فتنہ سے بہت کچھ تعلق رکھتے ہیں، دجال کا فتنہ دراصل مادیت کا فتنہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مادیت کو صرف انسان کے امتحان کے لیے طے فرمایا ہے، جیسا کہ آیت بالا میں صراحت سے مذکور ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی اور اس میں انسان کی سہولت اور لطف و آرام کی چیزیں بھی رکھیں، لیکن یہ سب چیزیں کوئی نمائش لگانے کے لیے نہیں رکھی ہیں، جس میں ہرطرح کا مال موجود ہو اور ہر قسم کے انتظامات ہوں، جیسے کہ نمائش میں بچوں اور بڑوں کی تفریح کے الگ الگ انتظامات ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دنیا اس لیے ہرگز نہیں بنائی کہ انسان اس کو ایک نمائش اور تفریح گاہ کے طور پر استعمال کرے، بلکہ یہ دنیا انسان کے امتحان کے لیے بنی ہے۔

آیت بالا میں کہہ دیا گیا کہ ہم نے تم کو زمین پر رکھا ہے اور زمین میں جو کچھ زینت کا سامان بنایا ہے، اس کا مقصد تمہاری آزمائش ہے، زینت کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو دیکھ کر آدمی کی طبیعت کو اچھا لگے اور آدمی کو اس سے فائدہ معلوم ہو، اسی لیے جتنی مادی چیزیں ہیں، ان سب کی یہی خصوصیت ہے کہ ان سے آدمی کو آرام ملتا ہے، اس کی طبیعت خوش ہوتی ہے اور طبیعت کے جو تقاضے ہیں وہ پورے ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں انسان نے آج کے دور میں بہت ترقی کرلی ہے، یورپ سے جو تمدن آیا ہے، اس کی ایک بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ خالص مادیت والا تمدن ہے اور مادیت کا تصور یہ ہے کہ انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز خود بخود ہے اور اس کے فائدہ اٹھانے کے لیے ہے، وہ اس سے خوب جی بھر کر فائدہ اٹھائے، اس لیے کہ وہ اسی کے لیے ہے اور خود بخود ہے، گویا اس کے اوپر کسی کا احسان نہیں ہے کہ کسی ذات نے اس کو یہ سب کچھ دیا ہو۔

مادی تصور کے برعکس اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس نے جو حکمت رکھی ہے وہ اس کے بالکل خلاف ہے، وہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی چیز خود بخود نہیں ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اور اسی کا بنایا ہوا ہے اور یہ سب بغیر کسی مقصد کے نہیں ہے بلکہ ہر چیز کا ایک مقصد ہے اور وہ ہے انسان کا امتحان، یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں انسانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ ان میں سے عمل کے اعتبار سے کون شخص زیادہ اچھا ہے، اسی لیے فرمایا کہ ہم نے یہ زیب وزینت آزمانے کے لیے بنائی ہے، دنیا کی تمام ترلذتیں اور فوائد اس لیے رکھے ہیں تاکہ انسان کی جانچ ہوسکے اور یہ امتحان لیا جاسکے کہ وہ اچھے اعمال کرتا ہے یا برے، وہ اپنی طبیعت، اپنی خواہش اور اپنے ظاہری فائدے کے خلاف کرتا ہے یا پھر اپنے ظاہری فوائد کے حصول میں ہی لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی زندگی کی حقیقت بتاتے ہوئے فرمادیا ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ" [التوبۃ: ۱۱۱] (بلاشبہ اللہ نے ایمان والوں سے ان کے مالوں اور جانوں کو اس عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کے لیے جنت ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی جانوں اور ان

کے مالوں کو خرید لیا ہے، جس کے عوض میں وہ بندوں کو جنت جیسی نعمت عطا فرمائے گا، جانوں اور مالوں کو خریدنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اختیار دیا ہے اور اس اختیار کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، جس طرح کسی کو عاریۃً استعمال کے لیے کوئی چیز دی جاتی ہے اور دینے والا جب چاہتا ہے اس کو واپس لے لیتا ہے، ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے، سب کچھ اللہ کا ہے، لیکن اللہ نے ہم سے لیا نہیں ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ جب تک تم دنیا میں ہو اس کو استعمال کرو، یہ سب چیزیں تمہارے ہی پاس رہیں گی، جب تم دنیا سے جاؤ گے تو یہیں چھوڑ کر چلے جاؤ گے اور پھر وہ سب اللہ کو واپس ہو جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دنیا اسی حساب سے بنائی ہے اور اسی لحاظ سے انسانوں کو پیدا کیا ہے، جس شخص کو جس زمانہ اور جن حالات میں پیدا کیا ہے، تو اس کو اسی زمانہ کے حالات کے لحاظ سے آزمایا ہے کہ ان حالات میں تم اچھا عمل کر کے دکھاؤ۔

سورۂ کہف ایمان اور مادیت کے اسی تصور کی طرف اشارہ کرتی ہے، اس کے اندر واقعات کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی چیز خود بخود نہیں ہوتی، بلکہ یہ سب چیزیں تو اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور اس نے ہر چیز حکمت سے بنائی ہے، یوں ہی تفریحاً نہیں بنادی ہے، بلکہ ہر ایک چیز میں حکمت رکھی ہے، حتی کہ موجودہ دور میں جو مادی ذرائع ہیں، جن میں انسان نے غیر معمولی ترقی کی ہے، انٹرنیٹ اور کلاسکی وغیرہ کا انکشاف کیا ہے، آج سب لوگ ان چیزوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ سب چیزیں لوگوں نے پیدا کی ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب چیزیں لوگوں نے معلوم کر لی ہیں، پیدا کرنے اور معلوم کرنے دونوں میں فرق ہے، مثلاً ایک کمرہ میں کسی شخص نے قیمتی سامان بھر رکھا ہے، آپ کو اس کا علم نہیں ہے، لیکن جب آپ اس کا دروازہ کھول کر اندر جاتے ہیں تو آپ اس سامان سے واقف ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے آپ نے اس کو پیدا نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس سامان کو اپنے ہاتھ سے کمرہ میں رکھا ہے، بلکہ آپ نے صرف اس کو معلوم کیا ہے اور پھر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، لہٰذا آپ کو چاہیے کہ استعمال سے پہلے پتہ کریں کہ کمرہ میں وہ سامان کس نے رکھا اور کیوں رکھا؟ یہ دونوں ہی باتیں معلوم کرنا ضروری ہیں، اس کے بعد آپ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کا استعمال کرنا چاہیے یا نہیں۔ ٹھیک اسی طرح انسانوں کے سامنے اللہ تعالیٰ یہ سوال رکھتا ہے کہ پہلے پتہ کرو یہ دنیا کس نے بنائی ہے اور کیوں بنائی ہے؟ اس کے بعد ہی آپ اس دنیا کے استعمال کا حق رکھتے ہیں، جب آپ کو یہ علم ہو جائے تبھی یہاں کی چیزوں کو ان کے استعمال کا استحقاق ہوتا ہے۔

ظاہر ہے جب انسان اس سوال کا جواب تلاش کر لے گا کہ دنیا کس نے بنائی ہے تو بات واضح ہو جائے گی کہ یہ سب کائنات اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور جب یہ پتہ چل جائے گا تو ضروری ہے کہ اللہ کا احسان مانا جائے، پھر وہ یہ بھی پتہ کرے کہ اس نے یہ دنیا کیوں اور کس لیے بنائی ہے؟ تاکہ اسی مقصد کے مطابق عمل کیا جا سکے، احادیث میں دنیا کی تخلیق اور انسانوں کے پیدا کرنے کا مقصد یوں بیان کیا گیا ہے:

"إنکم خلقتم للآخرة والدنیا خلقت لکم" [شعب الإیمان للبیہقی ۱۰۵۸۱] (بلاشبہ تمہارے لیے آخرت کو بنایا گیا ہے اور دنیا کو تمہارے لیے بنایا گیا ہے)۔

حدیث میں دنیا اور انسان کی تخلیق کا مقصد واضح کر دیا گیا، یعنی دنیا کا حق یہ ہے کہ وہ تمہاری ضروریات پوری کرے اور تم کو فائدہ پہنچائے، لیکن تم پر یہ ذمہ داری ہے کہ تم آخرت کی فکر کرو اور آخرت کے لحاظ سے عمل کرو، گویا دنیا ہمارے حسن مقصد کے لیے ایک ذریعہ ہے، لہٰذا ہم اس میں اسراف نہیں برتیں گے، بددیانتی نہیں کریں گے، کسی کا حق نہیں ماریں گے، کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور صرف ضرورت کے مطابق دنیا کا فائدہ اٹھائیں گے، اس لیے کہ یہ دنیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے استعمال کے لیے بنائی ہے، لیکن ہم کو اپنی آخرت کے لیے بنایا ہے، اسی لیے ہم آخرت کی فکر کو اولیت دیں گے، کیونکہ ہم آخرت ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، ہم دنیا سے بس اتنا ہی فائدہ اٹھائیں گے جتنا ہمارے لیے ضروری ہے یا جو آخرت کے لیے ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ کی سرزمین پر مبعوث ہوئے، جہاں کفار خالص مادی ذہن رکھتے تھے، وہ اللہ کو مانتے تھے، مگر یہ سمجھتے تھے اللہ سب کچھ بنا کر فارغ ہو گیا ہے، اب دنیا اور اس میں جو کچھ ہے یہ ہمارا ہے اور اس کے متعلق ہمیں کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہونا ہے۔ موجودہ تمدن کا بھی یہی فلسفہ ہے، اس کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب خود بخود ہوا ہے، اس کو کسی نے نہیں بنایا اور ہم اس کو پوری طرح اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کا حق رکھتے ہیں، کیونکہ یہ ہمارے لیے ہی ہے، ایسے لوگوں کے نزدیک اللہ کا وجود ماننا یا توحید کا قائل ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، وہ ہر چیز کی مادی توجیہ کرتے ہیں، لیکن آخر میں عاجز وحیران ہو جاتے ہیں اور

جواب دینے سے قاصر رہ جاتے ہیں، اگر ان سے سوال کیا جائے کہ کائنات کا اتنا زیادہ دقیق نظام یہ سب خود بخود ہونا کیسے ممکن ہے، تو اس پر وہ پریشان ہو جاتے ہیں اور ان سے کوئی جواب نہیں بنتا، البتہ ان میں سے جو بہت سمجھدار قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ بس اتنا کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی بڑی طاقت نے ہی کیا ہے، مگر اس کو ماننا یا اس کو بنیاد بنانا ان کے مزاج میں شامل نہیں ہے، اس لیے کہ ان کی بنیاد خالص مادی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ یہ دین بھیجا اور دین کے متعلق بنیادی عقیدہ کی مختلف طریقوں سے وضاحت فرمائی، اس سورت میں مختلف واقعات کے ذریعہ یہ بتایا کہ تم ظاہر میں دیکھتے ہو کہ سب چیزیں ڈھال پر پانی بہنے کی طرح خود بخود انجام پا رہی ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، بیماری اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، صحت اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، لوگوں کی عمریں اللہ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور انسان جہاں پیدا ہوا ہے، جس خاندان میں پیدا ہوا ہے اور جن حالات میں پیدا ہوا ہے، یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے مقرر ہے، جس کو اللہ نے ''الکتاب'' سے تعبیر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے پورا نظام بنا دیا ہے اور اسی نظام کے مطابق دنیا میں ہر چیز چل رہی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نظام صرف بنا کر نہیں چھوڑ دیا ہے، بلکہ ہر چیز اس کی اجازت سے چل رہی ہے، باریک سے باریک چیز بھی اللہ کے علم میں ہے اور وہ اسی کی اجازت سے ہو رہی ہے، حتی کہ دوائیں بھی اللہ کی اجازت سے فائدہ کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ جس دوا کا فائدہ چاہے روک سکتا ہے، ایمان والوں کو یہی عقیدہ بتایا گیا ہے۔

مادیت کا فلسفہ اس عقیدہ کے بالکل برعکس ہے، اس کے ماننے والوں کا اس بات پر اصرار ہوتا ہے کہ سب کچھ گویا ہم ہی نے بنایا ہے، کیونکہ وہ انکشاف کو ایجاد سمجھتے ہیں، یوں لفظی طور پر ایجاد کا استعمال کرلیا جائے الگ بات ہے، مگر سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں ہم نے کوئی چیز نہیں بنائی ہے، بلکہ ہر چیز ہم کو اللہ سے ملی ہے اور اسی نے ہمیں تصرف کا حق دیا ہے کہ ہم اس میں الٹ پھیر کرسکتے ہیں، لیکن وہ چیز تبھی حاصل ہوسکتی ہے جب اللہ عطا کرے، مثلاً غلہ کی پیداوار اتنی ہی ہوگی جتنی اللہ چاہے گا، انسان اس میں کچھ نہیں کرسکتا، اگر انسان کوشش کرکے زیادہ غلہ پیدا کرلے، مگر اللہ چاہے تو زیادہ پیدا ہونے کے بعد بھی تباہ کرسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی کسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ کتنا غلہ پیدا ہوگا اور کوئی باغ باں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس فصل میں کتنے پھل آئیں گے اور آئیں گے بھی یا نہیں آئیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی سورت میں دو باغ والوں کا قصہ ذکر کیا ہے، ایک صاحب کا بہت بڑا باغ تھا اور اس میں بہت پیداوار ہوتی تھی، وہ صاحب اپنے باغ پر بہت خوش تھے اور اکڑ رہے تھے، سمجھ رہے تھے کہ یہ سب ہمارا ہی ہے، فصل کاٹنے کے وقت ان کو خیال آیا کہ ہم جب پھل توڑنے جاتے ہیں تو غریب لوگ مانگنے آجاتے ہیں، ان سے بڑی پریشانی اور الجھن ہوتی ہے، اس لیے اب ہم اتنے سویرے جائیں گے کہ کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ ہم کب گئے اور پھل توڑ کر لے آئے، پھر اطمینان سے بعد میں دیکھیں گے کہ غریبوں کو دینا ہے یا نہیں، اس بات پر ان کے ساتھی نے ان کو سمجھایا کہ دیکھو تم زیادہ نہ اکڑو، یہ اللہ کا معاملہ ہے، اس میں تم زیادہ اکڑ نہ دکھاؤ، اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح فائدہ پہنچاتا ہے، اسی طرح تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتا ہے، جیسا کہ وہ فائدہ پہنچاتا ہے، مگر اس نے ایک نہیں مانی، چنانچہ وہی ہوا کہ ایک آندھی طوفان آیا اور سب کچھ برباد ہوگیا، اس شخص کو کچھ بھی ہاتھ نہ آیا، تب اس کو بہت افسوس ہوا کہ ہم نے بڑی غلطی کردی، ہم نے یہ خیال ہی نہیں کیا کہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا تھا۔

اس سورت میں ایسے اور بھی واقعات ہیں، جن کا مقصد یہی بتانا ہے کہ اللہ اپنے بنائے ہوئے عام نظام کے خلاف کرنے پر بھی قادر ہے، لہٰذا بندوں کو اصل ذات کی طرف رجوع کرنا چاہیے، نہ کہ اسباب وذرائع میں الجھ کر رہ جانا چاہیے۔

اللہ کی طرف سے دنیا کے عام نظام کے خلاف جو بات پیش آجائے وہ معجزہ ہے، حضرات انبیاء علیہم السلام کو یہ معجزات عطا کیے گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ دیا گیا، وہ کسی بیمار پر ہاتھ پھیر دیتے تو اس کو شفا ہوجاتی، اندھا بینا ہوجاتا جو دواؤں اور علاج کے ذریعہ بھی نہیں ہوسکتا، یعنی دنیا کا جو عام نظام ہے اس کے لحاظ سے نہیں ہوسکتا تھا، لیکن جب یہ چیز نظام کے خلاف پیش آئی تو معجزہ بن گئی، اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو معجزات یہ دکھانے کے لیے دیتا ہے کہ لوگ بات مان جائیں اور نبی کی دعوت کسی طرح تسلیم کرلیں، کیونکہ نبی انہیں ایسی چیز دکھا رہا ہے جو دنیا کے عام نظام سے ہٹ کر ہے اور عام انسان کے بس سے باہر ہے۔

(جاری)

☆☆☆☆☆

اصلاح حال

سماجی بیماریاں اوران کا علاج

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

آج کے مسلمانوں کی عمومی زندگی کا ایک سرسری مطالعہ اس بات کے ثبوت کے لیے بالکل کافی ہے کہ ہماری زندگی میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو چکا ہے اور معاشرہ میں ایسی ایسی خرابیاں جاگزیں ہو چکی ہیں، جن کا علاج بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کو از سر نو تشکیل دیں اور زندگی کو اسی پرانی راہ پر واپس لے چلیں جہاں سے ہمارے اسلاف اور امت کے رہنماؤں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

ہماری اجتماعی زندگی میں جو بیماریاں داخل ہو چکی ہیں، وہ گھن کی طرح زندگی کی بنیاد کو کھوکھلی کر رہی ہیں اور اس کے سارے بنیادی عقائد کو مسخ کر کے ایک ایسا مخلوط معاشرہ جنم دینا چاہتی ہیں جس کا ظاہر اسلام اور باطن شرک وبدعت اور کفر و نفاق ہوگا، بلکہ میں ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہہ دوں تو کوئی حرج نہیں کہ یہ معاشرہ ظاہری اسلام سے بھی محروم ہوگا اور وہ ایک خالص غیر اسلامی سوسائٹی ہوگی جس پر اسلام کا لیبل لگا کر سادہ لوح مسلمانوں اور ناخواندہ طبقے کو دھوکا دیا جائے گا۔

معاشرہ کو تبدیل کرنے کی یہ خفیہ مہم آج سے بہت پہلے شروع ہو چکی ہے، لیکن اب اس کا دھارا اس قدر تیز ہے کہ عام مسلمانوں کی زندگی اسلامی اصولوں سے کٹ کر اور عقائد وایمانیات سے نا آشنا ہو کر رہ گئی ہے، اسلام صرف اس بات میں محدود ہو کر رہ گیا ہے کہ رسوم کی پرستش کی جائے، قبروں پر سجدہ کیا جائے، عرس کے مخلوط میلے لگائے جائیں، شرک اور بدعت کے تمام کاموں کو اتنے دھوم اور اہتمام کے ساتھ انجام دیا جائے کہ دوسرے لوگ اسی کو اسلامی شعار، ایمان وعقیدہ کا اہم جز سمجھنے لگیں اور ہر دیکھنے والے کو اس کا یقین ہو جائے کہ اسلام میں یہ سب باتیں بے حد ضروری ہیں اور اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔

آج کے عام مسلمان کی زندگی میں شرک و بدعت، رسوم پرستی، قبروں کی عبادت، نذر ونیاز اور اس طرح کی اور بہت سی بیماریاں شعار کی حیثیت سے داخل ہو چکی ہیں جس کے بغیر وہ اپنی ''اسلامی زندگی'' کو ناقص، اور اپنے ایمان کو غیر معتبر تصور کرتا ہے، اس کے نزدیک یہی وہ اہم اور بنیادی باتیں ہیں جو ہر مسلمان کے لیے بہ حیثیت مسلمان ہونے کے ضروری ہیں، وہ یقین رکھتا ہے کہ آخرت میں اس کی نجات اسی پر منحصر ہے، اور اگر نذر ونیاز، فاتحہ وعرس اور ادائیگی رسوم وغیرہ میں کوئی کمی رہ گئی تو اس سے مواخذہ ہوگا اور وہ سچا اور صاحب عقیدہ مسلمان کہلانے کا کسی حال میں مستحق نہیں ہو سکتا ہے۔

ایک ایسا شخص جو اپنے آپ کو اس کے بغیر مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں سمجھتا، اور ان غیر شرعی امور کو جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انجام دینے کے لیے اپنی آخری کوشش صرف کر دیتا ہے، اگر عبادات ومعاملات کے پہلو سے ہم اس کی زندگی کا مطالعہ کریں تو وہ نہ صرف اس سے غافل بلکہ نا آشنا اور اس سے بالکل ناواقف ہوگا، اس کو دن رات کی نمازوں کی صحیح تعداد تک نہیں معلوم ہوگی، وہ فرض اور سنت سے قطعاً بے خبر ہوگا، بلکہ حد تو یہ ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی کلمہ سے بھی بالکل ہی نا آشنا ہوگا، اسی طرح معاملات میں وہ اتنا ناقص ہوگا کہ لوگ اس سے اجتناب کریں گے، وہ شراب بھی پیتا ہوگا، جوا بھی کھیلتا ہوگا اور چوری کو بھی جائز سمجھتا ہوگا، لیکن وہی شخص ہر جمعرات کو کسی بزرگ کی قبر پر سجدہ کرنا ضروری سمجھتا ہے، شب برأت کے موقع پر آتش بازی کے لیے جس طرح بھی رقم مل سکے اس کو جمع کرنا فرض عین خیال کرتا ہے، قبروں پر چڑھاوا چڑھانے کے لیے اور اس پر گھی کا چراغ روشن کرنے کے لیے ہر طریقہ سے پیسہ حاصل کرنا اس کے نزدیک ثواب کا کام ہے، یہ سب محض اس لیے کرتا ہے کہ اس کے نزدیک اس کے بغیر اسلام کا حق ادا نہیں ہو سکتا، اور وہ صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کا اہل نہیں ہو سکتا۔

یہی وہ گھن ہے جو ہماری سوسائٹی میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے، ہر شہر، گاؤں اور قصبہ میں اس بیماری نے اپنا تسلط جما رکھا ہے، اور عام مسلمانوں کو اس مرض سے کسی طرح نجات نہیں حاصل ہے، اگر ہم غور کریں تو دراصل اس بیماری کا منبع ہمارے پڑھے لکھے طبقے کا ایک ایسا گروہ ہے جو اپنی غرض پوری کرنے اور اپنی ذاتی منفعت کے لیے جاہلوں کو دھوکا دیتا ہے اور ان سے دین کے نام پر ایسے ایسے کام کراتا ہے جس کا دین سے کسی حال میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ دین کو لہو ولعب اور نفس کی تسلی کا ایک ذریعہ بنا کر یہ لوگ سادہ لوح عوام کو دھوکا دیتے ہیں جو ظاہری باتوں کے دلدادہ

ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ لوگ اسی کو اسلام، ایمان اور عقیدہ سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور اگر کوئی ان کو ان طفلانہ حرکتوں پر متنبہ کرتا ہے تو اس کو دین کے دائرہ سے خارج، وہابی اور کافر تک کہہ دینے سے نہیں چوکتے۔

یہ رسوم پرستی اور شرک وبدعت صرف قبروں اور نذرونیاز، عرس اور میلوں میں ہر جگہ منحصر نہیں، بلکہ بہت سی جگہوں میں اس کی شکلیں بدلی ہوئی ہیں، کہیں قبر پرستی کا رواج کم ہے، لیکن شادی بیاہ کے موقع پر غالی قسم کی رسوم پرستی کی لعنت اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ اس سے سر موانحراف دین کے کسی بڑے رکن سے انحراف کے مرادف تصور کیا جاتا ہے، کہیں معاملات میں لوگ اس طرح بے لگام ہیں کہ ان کے نزدیک منافع خوری، چور بازاری اور اجارہ داری پر فخر ہوتا ہے اور اس میں ریس اور مقابلہ شروع ہوتا ہے کہ کون زیادہ نفع کما سکتا ہے۔ کون پہلے بنک میں حساب کھول سکتا ہے اور کس کو جلد بہترین مکان بنوانے کا چانس حاصل ہوتا ہے، اسی طرح کہیں مہر گراں کرنے کا رواج عام ہے تو کہیں بارات کے جلوس میں زیادہ سے زیادہ آتش بازی، کاروں کی قطار، ہاتھی اور گھوڑے کی صفیں، انگریزی باجے کے نغمے، پھولوں اور پیسوں کی بارش، مالاؤں کا سیلاب اور زیادہ سے زیادہ ظاہر داری کا مظاہرہ کرنے کی رسم ہے، اور اس کو فخریہ انداز میں ہر جگہ بیان کرنے کا طریقہ ہے۔

یہ سب کچھ ہمارے اسی معاشرہ میں ہوتا ہے جس کو بدقسمتی سے ہم اسلامی معاشرہ کہتے ہیں، حالانکہ اسلامی معاشرہ میں پہلے یہ چیزیں موجود نہیں تھیں، اور نہ تاریخ میں کہیں اس طرح کی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اسلامی معاشرہ ایسے افراد سے بنتا ہے جو صحیح معنوں میں مسلمان ہوں، شرک وبدعت سے جو بالکل ناآشنا ہوں اور رسوم پرستی، قبر نوازی، اور ان تمام لعنتوں سے پاک ہوں جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں ہے۔

آج کے اسلام کا تعلق پہلے کے اسلام سے بالکل نہیں ہے، اگر آج کا اسلام رسم ورواج، شرک وبدعت اور غیر اللہ کی پرستش کو جائز قرار دیتا ہے تو کل کا اسلام اس سے بالکل منزہ تھا، وہاں ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ کے بتائے ہوئے سارے احکام پر عمل ہو، عبادات ومعاملات میں ہر مسلمان اسلامی اصول کے مطابق اپنی زندگی گزارے اور اسلامی تعلیمات سے ذرہ کے برابر انحراف کو قابل عتاب تصور کرے۔

لیکن جب ہماری عمومی زندگی کا حال یہ ہو کہ اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر اور اسلامی تعلیمات سے منہ موڑ کر غیر اللہ کے الہام کیے ہوئے خرافات کو ہم اسلام کا جزء سمجھنے لگیں اور بنیادی عقائد وایمانیات سے بیگانہ ہو کر ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو جائیں تو بلاشبہ ہمیں اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبتوں اور آئے دن آنے والے عذاب کا شکوہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کر سکتے اور اس کے شعائر کی مدافعت نہیں کر سکتے، تو کس منہ سے ہم یہ امید رکھیں کہ وہ ہماری حفاظت کرے گا اور مصیبتوں کے وقت وہ ہمارا ساتھ دے گا۔

گذشتہ دنوں ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں پر جو قیامت نازل ہوئی۔ وہاں کے مسلمانوں کی عمومی زندگی کا جب جائزہ لیا گیا تو پتہ یہ چلا کہ وہ لوگ اپنی خاص وعام زندگی میں اسلامی تعلیمات سے بہت پیچھے ہٹ چکے تھے اور معاشرہ کی ہر برائی اور گناہ میں وہ آگے آگے تھے۔ کتنے مسلمان ان میں ایسے تھے جو شراب کی بھٹیوں کے ٹھیکے دار تھے اور شراب نوشی عام کرنے کے لیے وہ باقاعدہ مہم چلاتے تھے، کتنے لوگ سنیماؤں کے مالک تھے اور اس کی برائیوں کو شہ دیتے تھے، اور اس طرح وہاں کے مسلمانوں کی عام زندگی دین سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ طرح طرح کی برائیاں ان کے گھروں میں داخل ہو چکی تھیں، کسی شر کا استقبال کرنے اور اس کو سینے سے لگا لینے میں ان کو کوئی عار نہیں تھا، بعض دوستوں سے یہاں تک معلوم ہوا کہ ان میں اور دوسرے غیر مسلم لوگوں میں کوئی فرق نہیں تھا، بلکہ یہ برائیوں میں ان سے بھی دو قدم آگے تھے، بے پردگی، زنا کاری، شراب نوشی، سود خوری، آزادی اور غفلت، یہ سب کچھ ان کے معاشرہ کا خاص وصف تھا۔

اس کے بعد بھی ہم پر مصیبتیں کیوں نہ نازل ہوں، قیامت کیوں نہ ہمارے سروں پر ٹوٹے، اور ہر طرح کی بے انصافیوں کا نشانہ کیوں نہ ہم بنیں؟ جب تک ہماری زندگی کا یہ حال رہے گا، یہ سب کچھ ہوتا رہے گا اور برابر مصائب وآلام نازل ہوتے رہیں گے، اس لیے ہر طرح کے اقدام سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی کا مطالعہ کرے اور اس کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنائے، عبادات و معاملات میں ہم خود اپنی اصلاح کریں اور افراد کی اصلاح کے لیے کوشش کریں، اس لیے کہ عوام کی اصلاح خود نہیں ہو سکتی، اس کے لیے کوشش ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ شرط ہے کہ ہماری زندگی ایسا نمونہ ہو جس کو دیکھ کر وہ متاثر ہوں اور اس سے سبق حاصل کریں۔

ملک میں بعض دینی جماعتیں افرادی اصلاح

کا کام پوری تندہی سے کر رہی ہیں اور اس کے فوائد بھی ہماری نظروں کے سامنے ہیں، لیکن اس وقت جس طرح یہ مرض پھیل چکا ہے، اور یہ بیماری جتنی عام ہو چکی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اپنی اور دوسروں کی اصلاح کا ذمہ دار سمجھے، اور معاشرہ میں گھس کر وہ لوگوں کے سامنے صحیح اسلامی زندگی کا نقشہ رکھے۔

جب تک ہماری دینی حالت بہتر نہ ہوگی، اور ہم اپنی نجی زندگی میں سچے مسلمان نہ بنیں گے، اس وقت تک کوئی علاج کارگر نہیں ہو سکتا، اتحاد بین المسلمین کا خواب، سیاسی بیداری کی کوشش سب کچھ اسی وقت مکمل ہو سکتا ہے، جب مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہوں، اور وہ دنیا کے ساتھ ساتھ دین کے شیدائی بھی ہوں، بغیر دینی بیداری کے سیاسی بیداری کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

مسلمان اسی وقت ایک زندہ، متحرک، فعال اور گرم جوش عنصر ہو سکتا ہے جب اس میں دینی روح پوری طرح موجود ہو، اسی وقت وہ قوموں کی تقدیریں بدل سکتا ہے اور قیصر وکسریٰ کے ایوان میں زلزلہ پیدا کر سکتا ہے، لیکن مسلمان اس کے بغیر راکھ کا ایک ڈھیر ہے اور مٹی کی ایک تصویر ہے جو پیروں سے روندی جا سکتی ہے، اور بے دردی کے ساتھ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جا سکتا ہے۔

اگر ہم کو اپنی حالت کے بدلنے اور غفلت کی نیند سے بیدار ہونے کی فکر نہیں ہے تو ہم کو ہر طرح کی ذلت، رسوائی، اور غلامی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اقبال نے شاید اسی موقع کے لیے کہا تھا:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

☆☆☆☆☆

حقائق سے واقفیت اور وزن ورسوخ کی ضرورت

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

ہم اور آپ جس ملک میں رہتے ہیں اس کی ایک تاریخ ہے، اپنی تاریخ کو آدمی کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے اور صورت حال کیا ہے اس سے بھی ہمیں آگاہ ہونا چاہیے، جو قوم حقیقت پسند ہوتی ہے، اور واقعیت اس کے دل ودماغ میں ہوتی ہے اس کا جائزہ بھی صحیح ہوتا ہے، اس کا مطالعہ بھی صحیح، اور نتائج اخذ کرنا بھی صحیح طور پر ہوتا ہے، اور جو قومیں ان تمام چیزوں سے آگاہ نہیں ہوتیں وہ ہمیشہ دھوکہ کھاتی ہیں اور دھوکہ دیتی ہیں، آج کل خاص طور سے جو دور حقیقت پسندی کا ہونا چاہیے تھا، جس کا ڈھونگ رچایا بھی ساری دنیا میں جا رہا ہے، لیکن حقیقت کے خلاف پوری توانائیوں کے صرف کرنے کا زور بڑھتا جا رہا ہے، جس کے نتیجہ میں ہم اور آپ ہر جگہ ہچکولہ کھا رہی کشتی کی طرح ہو گئے ہیں، کیرالہ میں سمندر کے کنارے جو علاقے آباد ہیں، وہاں بڑے بڑے جہاز سمندر میں کھڑے رہتے ہیں مگر وہ ملتے نہیں اپنی جگہ سے، کیوں کہ ان میں لنگر پڑے ہوتے ہیں، اور وہ اتنے بھاری ہوتے ہیں کہ جہاز اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو سکتا، سمندر کی موجیں اور طوفان اس کو اپنی جگہ سے ہٹنے اور ٹلنے نہیں دیتے، ہم اور آپ اس کے بالکل برخلاف ہیں، حقیقت سے نا آشنا ہونے، اور اس کے نتیجہ میں بے وزن ہونے کی وجہ سے ہچکولے کھا رہے ہیں اور بہت جگہ کٹی پتنگ کی طرح اڑ رہے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہم وہ ہوں جو ہمارے بڑے تھے، اور وہ مقام ہمارا ہو جس مقام پر ہمارے بڑے فائق تھے، یہ بھی حقیقت کے خلاف بات ہے، جس چیز کی کمی ہوتی ہے، اگر اس چیز کو پورا کیا جائے تو وہ آدمی قیمتی ہوتا ہے، پوری تاریخ ہماری بھری ہوئی ہے، بدر میں شرکت جو ہے، وہ کیوں بلند مقام رکھتی ہے؟ اس لیے کہ بدر میں اسلام عربوں میں تھا، کشتی اسلام ڈوبنے والی تھی، اور اللہ کی بات روئے زمین سے مٹنے والی تھی، جس کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جملہ سے ادا فرمایا، آپؐ یہ کہہ سکتے تھے، کسی اور کو اختیار نہیں تھا کہنے کا، کہ: "إن تهلك هذه العصابة لن تُعبد" [السنن الکبریٰ للنسائی] (اے پروردگار! آپ نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا)، اس وقت جن لوگوں نے بدر میں شرکت کی ان لوگوں کا بیڑا پار ہو گیا، اور ایسا ویسا پار نہیں ہوا بلکہ "علم ما فی قلوبکم" اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی جانچ کر لی، اصلاً دلوں ہی کی جانچ کی جاتی ہے، ظاہری رکھ رکھاؤ، ظاہری القاب، ظاہری آداب یہ وہاں نہیں جانچے جاتے، وہاں نہیں تولے جاتے، اور یہاں پر بھی وہ بہت زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکتے، اور زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے، کیوں کہ حقیقت کے خلاف ہے، لیکن اگر اندرون صحیح ہے، پختگی ہے، رسوخ ہے، تو آداب خود سامنے آئیں گے، القاب خود سامنے لہرائیں گے، اور آدمی اوپر بڑھتا چلا جائے گا، ترقی کرتا چلا جائے گا، اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ ہمارے جتنے اکابر ہیں، ان کے ساتھ القاب کا ہجوم نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ اس کو پسند نہیں کرتے۔

☆☆☆

ایمان کامل

عقیدۂ توحید سب سے بڑی طاقت

مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

"وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَ لَا تُشْرِکُوا بِہٖ شَیْئًا" (اور اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کرو)۔

اسلامی نظام اور دین کامل میں سب سے پہلا شعبہ ایمانیات کا ہے، اس کے بعد معاشرت، معاملات، سیاست وحکومت، معاشیات، تعلیم وتربیت اور دوسرے تمام امور آتے ہیں ،لیکن ایمانیات میں سب سے زیادہ اہمیت خدائے واحد کی عبادت اور شرک کی تمام قسموں سے کلی اجتناب کی ہے، یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد سارا اسلامی نظام گردش کر رہا ہے، اور اس میں ادنیٰ درجہ کا خلل پورے نظام اور پورے ڈھانچہ کو متاثر ومجروح کردیتا ہے، عبادت کیا ہے؟ اس کی تشریح خود قرآن مجید کی ایک آیت میں ہے: "قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ"۔ [الانعام :۱۶۳] (کہہ دیجیے کہ میری نماز اور ساری عبادات اور میری زندگی اور موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اولین مسلمانوں میں ہوں)۔

یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ہر قسم کی مالی اور بدنی قربانی، خدا کی یاد، خدا کا ذکر، الغرض اس طرح کی جتنی چیزیں ہیں، اسی طرح زندگی اور موت کے جتنے معاملات ہیں، سب میں بندہ کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا چاہیے، اس میں دو پہلو ہیں، ایک ظاہری پہلو ہے اور وہ یہ ہے کہ ان ارکان دین کی صورت ادا ہو، یعنی جن احکام و تعلیمات اور شرائع وآداب کے ساتھ ان کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح ان کو ادا کیا جائے، دوسرا ان کا باطنی پہلو ہے، جس کو ایمان و احتساب سے تعبیر کیا گیا ہے، اگرچہ فیصلہ ظاہر ہی پر کیا جائے گا، لیکن عبادت کے مفہوم میں یہ سب باتیں شامل ہیں، اگر نماز میں تعدیل ارکان ضروری ہے تو اس کے ساتھ خشوع اور تصحیح نیت کی بھی بہت تاکید آئی ہے، لیکن خشوع اور نیت وہ چیز ہے جو نمازی کا خدا سے براہ راست معاملہ ہے، عبادت کے اس مفہوم کے بعد اب اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اس میں کسی قسم کے شرک کی آمیزش نہ ہونی چاہیے، اس میں شرک جلی، شرک خفی، ہر قسم کے شرک کی کلی نفی کر دی گئی ہے، "شَیْئًا" کے لفظ میں ہر قسم کا حصہ پایا جاتا ہے، کوئی ہستی، نبی، ولی، چاند، سورج، پہاڑ، دریا، چرند و پرند، غرض کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں جس کی نفی "لَا تُشْرِکُوا بِہٖ شَیْئًا" میں نہ کر دی گئی ہو۔

غرض توحید خالص یعنی خدائے واحد کی عبادت اور شرک کی تمام قسموں کی نفی، یہ دو مثبت اور منفی پہلو ہیں جن کے ملنے سے اسلامی نظام صحیح اور کامل طور پر قائم ہوتا ہے۔

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص ایک سب سے طاقتور اور بالاتر ہستی پر، جو خالق بھی ہے اور مالک بھی، رازق بھی ہے اور رحمٰن ورحیم بھی، ایمان لاکر اور تنہا اسی سے وابستہ ہوکر اور اس پر بھروسہ کرکے شرک اور ہر کمزوری، بیماری اور آلائش سے پاک ہوکر کتنا غنی، طاقتور، بے باک، پرسکون اور راضی وقانع اور خوش ومطمئن ہوسکتا ہے۔

اسی کے برخلاف کئی خداؤں کو تسلیم کرنے والے یا اس کے ساتھ مختلف چیزوں اور مختلف ہستیوں کو شریک کرنے والے اپنے کو کس درجہ بے یارومددگار محسوس کرتے ہیں اور یکسوئی و اطمینان کی دولت سے کتنے محروم رہتے ہیں۔

عقیدۂ توحید کا سب سے پہلا اثر طاقت اور برکت پر ہے، اور جو شخص اپنی زندگی کے تمام معاملات میں خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، نجی ہوں یا عمومی، اپنے کو کسی چیز کا محتاج محسوس نہ کرے گا، اور "حُنَفَاءَ لِلّٰہِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ" [الحج:۳۱] (اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل یکسو اور اپنا رخ اس کی طرف کیے ہوئے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے والے) کی سچی تصویر ہوگا، وہ انتشار ذہنی اور انتشار قلبی اور اس کے نتیجہ میں بیرونی انتشار اور خارجی فساد سے کتنا محفوظ ہوگا۔

قرآن مجید میں ایک جگہ امن واطمینان کی اس کیفیت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: "اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُھْتَدُوْنَ" [الانعام:۸۲] (جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم (یعنی بیجا و بے محل بات سے آلودہ نہ کیا) انہیں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں)۔

ظلم کی حقیقت کیا ہے اور سب سے بڑا ظلم کسے کہتے ہیں، اس کی تشریح اس آیت سے ہوتی ہے:

"یُبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" [لقمان:۱۳] (اے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا، بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے)، ظلم کی تعریف لغت میں "وضع الشئی فی غیر محلہ" (کسی چیز کو بے محل جگہ رکھنا آئی ہے) اور واقعہ یہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر معبودان باطل یا کمزور و ناتواں اشیاء کو شریک خدا ٹھہرانے سے زیادہ بے محل اور ناروا باتیں دنیا میں اور کیا ہو سکتی ہے؟

"اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ" [الروم:۴۰] (وہ اللہ جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو رزق دیا، پھر تم کو موت دیگا، پھر تم کو زندہ فرمائے گا، کیا ان میں سے کوئی جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو، کوئی ایک چیز بھی کر سکتا ہے، پاک ہے وہ اور بلند و برتر ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں)۔

سورۂ روم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمانیات کے سلسلہ میں ایک اہم پہلو کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور انسان کی فطرت سلیم کو مخاطب کیا ہے، اسمیں چار بنیادی چیزیں بیان کی گئی ہیں:

ایک پیدائش، یعنی انسان کا عدم سے وجود میں آنا، دوسرے اس کے رزق و روزی کا سامان، تیسرے موت اور چوتھے زندہ کیا جانا۔

اس کے بعد کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں مکمل طور پر یہ چاروں چیزیں ہیں، اب تم بتاؤ کہ ان معبودانِ باطل کے ہاتھ میں جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے، کیا ان میں سے ایک چیز پر بھی وہ قادر ہیں۔

سورۂ روم کی اس آیت سے کچھ ہی قبل فطرت انسانی کا ذکر کیا ہے: "فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ". [الروم: ۳۰] (اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں)۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کی فطرت ایک ہے اور صحیح و سلیم ہے، اس کے اندر حق کی قبولیت کا مادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے عجز و نیاز اور بندگی اس کے خمیر میں شامل ہے، اس مقدمہ کے بعد تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا چیلنج پیش کیا گیا ہے، کہ بتاؤ وہ قادرِ مطلق، خالق و رازق، مارنے والا اور جلانے والا خدا، بندگی و اطاعت کے لائق ہے یا وہ جن کو تم نے خدا کا شریک بنایا ہے؟ اگر انسان کی فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے، اور گناہوں پر اصرار، عناد و سرکشی اور تمسخر و استہزاء نے اس کے دل پر مہر نہیں لگا دی ہے، تو بے ساختہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے گا، یہ اس کی فطرت کی پکار ہوگی، اور اس کے جذبۂ بندگی کی تسلی!

یہ وہ موقع ہے جہاں کسی لفظی دلیل اور بحث مباحثہ اور تبادلۂ خیال کا مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔

انسان کا پیدا کرنے والا، اپنے عاجز و لاچار بندے سے جو کسی عارضی غفلت اور گمراہی کی وجہ سے راستہ سے بھٹک گیا ہے اور شرک کی ظلمت میں پھنس گیا ہے، یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اس بات کو خود سوچے اور دیکھے کہ وہ اپنے ساتھ کتنا بڑا ظلم کر رہا ہے، فطرت کی یہ سلامتی درصل وہ عہد ہے جو تخلیق انسانیت کے وقت تمام انبیاء کرام کی موجودگی میں کیا گیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) "قَالُوْا بَلٰى" [الاعراف:۱۷۲] (سب نے کہا: ہاں!) یہ فطرت دنیا کے ہر انسان میں ہے، اسی کی تشریح حدیث شریف میں اس طرح آئی ہے کہ: "کل مولود یولد علی الفطرۃ" (ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے) "فأبواہ یھودانہ أو ینصرانہ او یمجسانہ" (پھر بعد میں اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں، نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں)، یہ سب والدین کی تعلیم و تربیت اور ماحول کے اثرات و اتباع کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔

آیت بالا میں جن باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ ایسی کھلی ہوئی ہیں کہ جاہل سے جاہل آدمی اور کم سے کم عقل رکھنے والا بھی ان کو محسوس کرتا اور سمجھتا ہے۔

قرآن مجید میں جو احکام، اصول، معاملات اور زندگی گزارنے کے طریقے بتائے گئے ہیں، ان میں دو چیزیں بہت اہم ہیں، ایک عبادت دوسرے استعانت (یعنی مدد چاہنا) سورۂ فاتحہ دراصل پورے قرآن مجید کا خلاصہ ہے، اور سورۂ فاتحہ کا اگر کوئی خلاصہ کرنا چاہے تو شاید تنہا یہی آیت اس کے لیے کافی ہوگی، یعنی "ایاك نعبد وایاك نستعین" (ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں)، مشہور مفسر علامہ ابن کثیرؒ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: پورا دین ان دو چیزوں کے اندر داخل ہے جیسا کہ بعض علماء سلف نے کہا ہے، سورۂ فاتحہ قرآن کا سر (روح) "ایاك نعبد وایاك نستعین" ہے۔

سچ پوچھئے تو انسان کی پوری زندگی عبادت اور استعانت کا نام ہے، یعنی اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی فطری خواہش رکھی ہے کہ وہ کسی کو

اپنا سرپرست سمجھے،اس کے سامنے اپنے جذبات بے تکلفی وسادگی اور سچائی کے ساتھ ظاہر کرسکے، اس کی چوکھٹ پر اپنی پیشانی ٹیک سکے،اور یہ سمجھے کہ اس کا کوئی بڑا ہے،اس کا کوئی سہارا ہے اور ایک ایسی سرکار بھی ہے جہاں سے سب کچھ اس کو مل سکتا ہے،قرآن مجید نے ”اِیَّاکَ نَعۡبُدُ“ کہہ کر نہ صرف انسان کے اس جذبہ کی تسلی کی ہے بلکہ غلط راستے پر جانے کے سارے دروازے اس پر بند کردیے ہیں ،اس لیے کہ عبادت صرف نماز پڑھنے یا سجدہ کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ کسی بت، خیالی معبود یا بادشاہ یا حاکم یا پیر اور بزرگ یا چاند، سورج ،ستاروں، دریاؤں اور پہاڑوں، جانوروں اور اس طرح کی ساری چیزوں کو یہ سمجھنا کہ یہ ہماری قسمت کے مالک ہیں،اور ان کو ہر طرح کا اختیار اور قدرت حاصل ہے ،عبادت کے خلاف ہے، یہاں تک کہ وہ رسم ورواج بھی جواز روئے شریعت غلط ہیں یا زندگی کے وہ طریقے جو انسان نے خود بنائے ہیں،سب ان میں شامل ہیں،عرب میں دستور تھا کہ جب ضرورت پڑتی تھی تو اپنے حالات کے مطابق مٹی کا کوئی بت بنا کر رکھ لیتے تھے،بعد میں اس کو توڑ ڈالتے تھے،مثلاً سفر میں بڑا بت لے جانا مشکل ہوا تو کوئی چھوٹا بت ہنگامی طور پر بنالیا،اور واپسی پر پھینک دیا،آج یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا کی رہنمائی سے بے نیاز ہوکر کچھ باتیں اپنے دل سے طے کرلیتا ہے،اس کے بعد اپنے اوپر ان کو اس طرح تھوپ لیتا ہے جیسے وہ خدائی حکم ہوں،بعض وقت وہ کوئی ایسی بات اپنی نادانی او جہالت سے اپنے اوپر فرض کرلیتا ہے جس سے خود اس کو بعد میں بڑی تکلیف ہوتی ہے،لیکن اس کے باوجود وہ اس کو چھوڑنے کا نام نہیں لیتا،اور جس طرح اللہ کا ایک وفادار اور سچا بندہ اللہ کے حکموں کو مقدس اور اٹل سمجھتا ہے،اسی طرح وہ اپنے بنائے ہوئے اصولوں کو مقدس اور اٹل سمجھتا ہے اور اس کا کلمہ پڑھتا رہتا ہے ،کمیونزم ، اشتراکیت ،سرمایہ داری، زبان، وطن اور رنگ و نسل کے نعرے، تہذیب کے نام پر موجودہ بدتہذیبی اور آزادی کے نام پر اپنے نفس کی غلامی، یہ سب درحقیقت وہ چھوٹے بڑے بت ہیں جو انسان نے خود بنائے ہیں،اور خدا کی طرح ان سے معاملہ کررہا ہے:”اِیَّاکَ نَعۡبُدُ“ کہہ کر وہ گویا ان سارے بتوں، بے خدا نظاموں سے پوری طرح آزاد ہوجاتا ہے اور ایک خدا کا بندہ بن جاتا ہے۔

دوسری چیز استعانت ہے یعنی مدد چاہنا، یہ انسان کی زندگی کا دوسرا اہم ستون ہے،اگر وہ غیر اللہ کی عبادت سے نکل بھی آتا ہے تو اکثر یہاں آکر پھنس جاتا ہے،یعنی موحد ہونے ، خدا کی عبادت کرنے اور اس کو اپنا مالک و آقا سمجھنے کے باوجود وہ یہ سمجھتا ہے کہ دوسروں کے ہاتھ میں بھی بہت کچھ ہے اور ان سے بھی مدد چاہ سکتا ہے، یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ استعانت دو قسم کی ہے،ایک جس پر زندگی کا نظام قائم ہے،اور جو خالص انتظامی معاملہ ہے،مثلاً ہم بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں، لیتے دیتے ہیں،کسی بزرگ مرد صالح سے دعا کے لیے کہتے ہیں،ایک وہ جس میں کسی کو مشکل کشا اور کارساز سمجھا جائے، مثلاً فلاں بزرگ ہمارے مشکل دور کرسکتے ہیں ،فلاں حاکم چاہے تو ہماری قسمت کا ستارہ چمکا سکتا ہے،فلاں آدمی بھی نقصان پہونچانے کی قدرت رکھتا ہے،فلاں نفع پہونچانے پر قادر ہے، یہ مدد چاہنے کی وہ شکل ہے جو غلط ہے اور ”ایاك نستعین“ کے خلاف ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ غیر اللہ کی عبادت سے زیادہ غیر اللہ سے مدد چاہنا زندگی میں عام ،آدمی ہر نماز میں اور ہر رکعت میں یہ کہتا ہے کہ ”ایاك نعبد وایاك نستعین“ لیکن وہ اس وقت جب مسجد سے باہر ہوتا ہے تو حاکم کے ڈر سے سچی بات نہیں کہتا یا کسی فائدے اور ترقی کے لالچ میں اس کے سامنے بالکل جھکنے لگتا ہے اور عزت نفس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے،اس کے دل میں چور ہوتا ہے کہ یہ چاہیں تو ہمارا کیس خراب کرسکتے ہیں اور اب تو یہ کہا جانے لگا ہے کہ ہمارا فیوچر (مستقبل) خراب کرسکتے ہیں،اس طرح کی بات کرنا یا سوچنا اور دل میں اس کا یقین رکھنا، یہیں دراصل غیر اللہ سے مدد چاہنا ہے، بدعت کی اکثر قسمیں چڑھاوے، قبر کی قسمیں، یہ سب اسی استعانت میں داخل ہیں،اسی طرح سیاسی و اجتماعی زندگی میں اہل حکومت اور اہل دولت کو نفع و نقصان کا مالک اور مستقبل خراب کردینے پر قادر سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ سفارش ہی سب کچھ ہے ،خوشامد سے سارے کام بنتے ہیں،اور ان لوگوں کے ہاتھ میں بہت کچھ ہے ،استعانت کی وہ شکل ہے جو ایک سچے مسلمان کی زندگی سے بالکل میل نہیں کھاتی۔

قرآن مجید میں عبادت اور استعانت دونوں چیزوں میں غیر اللہ کی مکمل نفی کرکے انسان کو ہر طرح کی غلامی سے آزاد کردیا ہے،اور صرف ایک خدا کی غلامی میں داخل کیا ہے جو حقیقتاً ہر چیز پر قادر ہے، یہ جس کے بعد ایک معمولی اور عام مسلمان دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ،اور ڈکٹیٹر اور حاکم کے سامنے مرعوب نہیں ہوسکتا۔

☆☆☆☆☆

تاریخ وتذکرہ

ہندوستان میں اسلامی حکومت

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

عالم اسلام کے نقشہ میں ہندوستان پہلی صدی ہجری میں داخل ہوا جبکہ محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا جس کو ولید بن عبدالملک کے دور میں حجاج بن یوسف الثقفی نے ہندوستان بھیجے جانے والے لشکر کی کمان سونپی تھی، مغربی ہندوستان کے شمالی خطے میں افغانی قبائل متعدد بار اور مختلف مراحل میں ہندوستان میں داخل ہوئے، اور پھر اپنے وطن واپس ہوگئے، اس دوران حکومت مختلف ہاتھوں میں رہی جن کا تعلق کبھی غزنویوں سے رہا تو کبھی غوریوں سے، ان کے علاوہ دیگر حاکم خاندان اور ممالیک وغیرہ نے بھی حکومت کی تا آنکہ مغل بادشاہ ہمایوں بن بابر ۹۳۳ھ میں ہندوستان کا حاکم ہوا، اسی نے وہ مغل حکومت قائم کی جو تیرہویں صدی ہجری تک پورے آب وتاب سے چلتی رہی، اس کا خاتمہ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط سے ہوا جب کہ ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء میں آخری مغل فرمانروا بہادر شاہ ظفر کو جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔

ہندوستان میں غیر عرب یعنی عجمیوں میں سے سب سے پہلے جو شخص مغربی پہاڑوں کے راستہ سے داخل ہوا وہ محمود بن سبکتگین غزنوی ہے (۳۸۸-۴۲۱ھ) جس نے متعدد بار ہندوستان پر حملہ کیا، تقریباً اس کے ۱۷ مشہور حملے ہیں جن میں اس کو فتح وکامرانی نصیب ہوئی اور وہ غزنہ واپس ہوگیا، یہ عظیم الشان فتوحات بغداد میں عباسی خلیفہ کی خوشنودی و رضا کا سبب ہوئیں، غزنویوں کے پے بہ پے حملوں نے ہندوستان کی دفاعی قوت کی کمر توڑ دی، بار بار ہونے والے ان حملوں کی لپیٹ میں دہلی کے قریب کے علاقے بھی آئے، البتہ ان لوگوں نے دہلی اور مرکزی خطوں کو اپنے اہداف میں شامل نہیں کیا۔

غوریوں کے عہد میں قطب الدین ایبک کے ہاتھوں گجرات فتح ہوا، قطب الدین شہاب الدین غوری کا مملوک تھا، شہاب الدین ۵۷۳ھ میں ہندوستان آیا تھا، علاء الدین خلجی کے عہد میں اسلامی مملکت کا قیام نہر والا گجرات میں عمل میں آیا، اور وہیں پہلی مسجد بھی بنائی گئی، ۵۸۹ھ میں قطب الدین ایبک دہلی میں داخل ہوا اور اس کو فتح کر کے اپنا دار الحکومت بنایا، اسی کے ساتھ بڑے وسیع خطے کی فتح ہوئی، اس کی وفات کے بعد سلطان شمس الدین التمش نے حکومت سنبھالی، پھر تغلق خاندان کی حکمرانی قائم ہوئی اس خاندان کی حکومت عباسی خلافت کے تابع تھی، اس عہد میں مملکت اسلامیہ کی حدود میں خاطر خواہ اضافہ ہوا یہاں تک کہ لودھی خاندان کی حکومت قائم ہوگئی۔

۹۳۳ھ میں بابر التیموری کابل سے آیا اور اس نے مغل حکومت کی بنیاد رکھی، پھر اس کے بیٹے نصیر الدین ہمایوں متوفی ۹۶۳ھ کے زمانے میں شیر شاہ فرید خاں سوری متوفی ۹۵۲ھ نے حکومت پر قبضہ کر کے ایسی منظم مملکت قائم کی جس کی نظیر اس سے قبل نہیں ملتی، اسکے بعد حکومت کی باگ ڈور ہمایوں کے بیٹے اکبر نے سنبھالی جس کے والد کو ہندوستان سے نکل جانے پر مجبور کیا گیا تھا، اس کا جانشین اس کا بیٹا جہانگیر ہوا جس کی امام احمد بن عبد الاحد الفاروقی السرھندی نے بڑی اچھی تربیت فرمائی تھی، اس کے والد نے اس کے اندر جو فساد پیدا کیا، امام موصوف نے اس کی اصلاح کی اور ان سے تعلق کی بناء پر مملکت کا نظام بھی بہت کچھ تبدیل ہوا۔

پھر حکومت تبدیل ہوئی اور ان کا بیٹا شاہجہاں (۱۰۶۸ھ) میں تخت نشین ہوا، اس نے بڑے مؤثر اور دیرپا اسلامی آثار چھوڑے، دہلی کی جامع مسجد، لال قلعہ، آگرہ کا تاج محل جو کہ فن تعمیر میں یکتائے روزگار ہے اسی کی یادگاریں ہیں، شاہجہاں کے بعد زمام حکومت سلطان اورنگ زیب عالمگیر بن شاہجہاں (م ۱۱۱۸ھ) کے ہاتھ آئی اور ایک نئے عہد کا آغاز ہوا، پھر اسلام سربلند ہوا، اور اسلامی شان وشوکت واپس آئی، اسلامی تعلیمات کا نفاذ ہوا، اورنگ زیب کا عہد بلاشبہ عہد زریں کہلانے کا مستحق ہے، اسی عہد میں اسلامی تعلیمات اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہوا، فتاویٰ کی تدوین ہوئی، اور حکومت میں شامل ان عناصر کو ختم کیا گیا جو کہ اسلام سے منحرف تھے، لیکن ۱۷۰۷ء میں سلطان اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلوں کی موروثی اور پشتینی سلطنت بکھر گئی اور مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہوگیا، بعض منطقوں کا نظام غیر مسلموں نے جن میں مرہٹہ، سکھ اور جاٹ قبائل تھے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور انھوں نے ایک متحدہ حکومت قائم کر لی، ان حالات میں نادر شاہ نے ایک آندھی بن کر ۱۱۵۱ھ-۱۷۳۸ء میں

دہلی پر چڑھائی کردی اور مغل حکومت کو ہلا کر رکھ دیا، شیخ ولی اللہ دہلوی کی دعوت پر احمد شاہ ابدالی ۱۷۵۷ء میں آیا اور پھر جب وطن واپس ہوا تو اس کی واپسی کے بعد امراء کے درمیان آپسی چپقلش زور پکڑ گئی، انگریزوں نے اس آپسی رنجش کا فائدہ اٹھایا، انگریزوں کو اپنے رسوخ کے نفوذ میں کسی کی طرف سے قابل ذکر مزاحمت کا بھی سامنا نہ کرنا پڑا سوائے ٹیپو سلطان شہیدؒ والی میسور (م ۱۲۱۲ھ-۱۷۹۹ء) کی پر زور مزاحمتوں کے، ان کی ہی وفات پر انگریز جنرل ہارسن نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ: ''آج سے ہندوستان ہمارا ہے''۔

۱۳۱۸ھ-۱۸۰۳ء میں انگریزی فوجیں لارڈ لیک کی قیادت میں دہلی میں داخل ہوئیں اور ۱۸۵۷ء میں انھوں نے پورے طور پر ملک کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا جب کہ وہ انقلابی جنگ ناکام ہو چکی تھی جس کی قیادت علماء نے کی تھی، اس کے بعد آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا، ان کی وفات بھی وہیں ۱۳۲۸ھ میں ہوئی، ہندوستان پر تقریباً ۱۰۰ سال انگریزوں کی حکومت رہی۔

آزادی کے لیے طویل ترین کوششوں کے بعد ۱۹۴۷ء میں ہندوستان نے برطانوی سامراج سے نجات حاصل کی، لیکن ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، ہندوستان میں ہندوؤں کا غلبہ رہا اور پاکستان میں مسلمانوں کا غلبہ رہا، پھر ۱۹۷۱ء میں پاکستان سے بنگلہ دیش الگ ہو گیا اور وہاں الگ مسلم حکومت قائم ہو گئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں ہندوستان کا رخ کیا، تجارتی اور علمی روابط ہندوستان و جزیرۃ العرب کے درمیان اسلام کی آمد سے پہلے بھی رہے، عہد بنوامیہ میں سندھ کے علاقے میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد مسلسل مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کے مختلف خطوں پر حملے ہوتے رہے لیکن ان غازیوں نے کبھی ہندوستان میں مستقل ٹھہرنے کے بارے میں نہیں سوچا، پورے طور پر ہندوستان ایک اسلامی ملک کی حیثیت سے ساتویں صدی ہجری میں سقوط بغداد کے بعد جانا گیا، جب کہ بغداد میں تاتاریوں کے قبضہ اور ان کی مچائی ہوئی تباہی کے بعد بہت سے علماء اور اہل فن نے دور دراز ملک ہندوستان کا رخ کیا اور یہاں آ کر بس گئے، بلاد عربیہ کے لیے ساتویں صدی بڑی پر خطر و پر آشوب تھی، مصر و شام اور عراق پر پے در پے صلیبیوں اور مغلوں کے حملے ہو رہے تھے جن سے وہاں کے مکتبات و مدارس کو کافی نقصان ہوا اور بالکل تباہ ہو کر رہ گئے لیکن وہاں سے علمی اور تہذیبی میراث ہندوستان میں قائم نو خیز اسلامی سلطنت کو منتقل ہو گئی، ہندوستان کی فضا تفکیر و تخلیق کے لیے بڑی خوشگوار و سازگار تھی، لہٰذا عالم عرب سے یہاں آنے والے علماء نے ان علوم و معارف کو یہاں کی فضا میں آگے بڑھانے کا کام شروع کیا جنھیں وہ اپنے ساتھ لے آئے تھے حتی کہ بعض ہندوستانی شہروں کو علمی تحقیق کے میدان میں قائدانہ کردار کے لیے جانا گیا، اور پھر اسلامی تہذیب یہاں اس طرح پروان چڑھی کی وہ بغداد و قاہرہ اور قرطبہ و بخارا و سمر قند کو آنکھ دکھانے لگی، یہاں کی علمی مجلسیں، مکاتب فکر اور تخلیقات میں اُن تہذیبی و فکری مراکز سے مقابلہ ہونے لگا، اس سلسلہ میں ملتان و لاہور اور گجرات وغیرہ سرفہرست ہیں، جب کہ علماء شیراز ویمن نے جونپور، دہلی، لکھنؤ، مالوہ اور دکن وغیرہ میں مستقل قیام کیا، یہی سبب ہے کہ ان علاقوں میں آج بھی اسلامی تہذیب کی نمائندگی ہوتی ہے، جب کہ ان علاقوں میں ایسے اصحاب علم و فن پیدا ہوئے جنھوں نے علم و معرفت اور مختلف فنون میں تخلیقاتی اور تجدیدی کاوشوں سے اپنی پہچان بنائی حتی کہ عالم اسلام کے دیگر خطوں میں بھی ان کا ایک مقام ہوا، علم کے متعلق اسلاف کے مطابق علماء ہند کا موقف ابداع و تنقیح اور نئی نئی سمتوں کی تحقیق رہا، چنانچہ یہاں کے علماء نے بعض معلومات کو نیا رنگ اور نئی سمت عطا کی اور اس سلسلے کی اپنی تصنیفات و مؤلفات سے مکتبات اسلامیہ کو بھی مالا مال کر دیا، جن کا اعتراف عالم عرب میں بھی کیا گیا، اس طرح علوم و فنون، سیاست و انتظام اور اقتصادیات میں علٰحدہ ہندوستانی مکتب فکر کی تشکیل ہوئی، حتی کہ بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اب دنیا کے کسی بھی خطہ میں خواہ علم و فن کتنی ترقی کر جائے لیکن کہیں کا محقق ہندوستانی علماء کی تحقیقات سے استغناء نہیں برت سکتا، ہندوستان میں علمی تجربات تہذیب و تنقیح کے متعدد مراحل سے گذرے، متعدد مرتبہ علماء نے ہندوستانی، ایرانی اور عربی ماحول میں علم اور مدارس کے لیے مختلف مناہج تیار کیے اس طرح سے ہندوستانی مکتب فکر عربی اور فارسی مکتب فکر سے ممتاز ہے جس کا اپنا ایک خاص رنگ و آہنگ ہے، اپنی حقیقت و ندرت کے لحاظ سے اس کو ہمیشہ ممتاز رہنے کا حق بھی حاصل ہے۔

☆☆☆☆☆

ہمارا سماج

ایک مہلک و تکلیف دہ بیماری

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو کچھ پیدا کیا ہے، وہ اصل میں انسان ہی کے نفع کے لیے ہے، بشرطیکہ انسان اس کا صحیح استعمال کرے، دنیا میں یقیناً ایسی چیزیں بھی ہیں کہ غلط طریقہ پر ان کا استعمال طرح طرح کی بیماریوں کا سبب اور ہلاکت کا باعث بھی ہوسکتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا کی ہے اور تجربات سے فائدہ اٹھانے کا شعور بخشا ہے، اس سے بڑھ کر ناسمجھی کی کوئی اور بات نہیں ہوسکتی کہ انسان ایک شے کے نقصان کو جانے پھر اسی کو استعمال کرتا جائے اور اپنی گاڑھی کمائی ایک ایسی چیز پر خرچ کرے جو خود اس کو نقصان پہنچانے والی ہو۔

لیکن عجیب بات ہے کہ عملاً صورت حال یہی ہے کہ محنت و مشقت سے حاصل کی ہوئی دولت کا اچھا خاصا حصہ ہماری سوسائٹی میں بہت سے لوگ اسی طرح ضائع کرتے ہیں اور قیمتاً مہلک بیماریاں خرید کرتے ہیں، تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ صرف جاہل و ناخواندہ عوام ہی اس میں مبتلا نہیں ہیں، بلکہ پڑھے لکھے اصحابِ ذوق وادب اور ارباب فکر و دانش بھی اس نادانشمندانہ عمل میں برابر کے شریک ہیں، آپ کے لیے یقیناً یہ بات باعث حیرت ہوگی کہ آخر وہ کیا بیماری ہے جو مہلک اور تکلیف دہ بھی ہے، لیکن پیسے دے کر خریدی جاتی ہے اور پڑھے لکھے سمجھ دار لوگ بھی اسے خرید کرتے ہیں، لیکن آپ حیرت زدہ نہ ہوں، یہ ایک واقعہ ہے اور آپ کو اپنے گرد و پیش، دوست احباب میں ہی اس کی کتنی مثالیں مل جائیں گی۔

یہ بیماری ہے ”تمباکو کا استعمال“، خواہ آپ پان کے ساتھ زردہ کے نام سے استعمال کریں، یا بیڑی اور سگریٹ کی صورت میں، آپ اپنے سینہ کو بھٹی بنالیں یا آپ نسوار کی شکل میں ناک میں اس کا استعمال کریں یا دانت میں مل کر تسکین خاطر کا سامان کریں، یہ تمام صورتیں دراصل بیماریاں ہیں اور ایسی بیماریوں کا پیش خیمہ ہیں جو انسان کو شدید قسم کے آلام میں مبتلا کرتی ہیں اور بالآخر زندگی کی نعمت سے محروم کردیتی ہے۔

یہ بلا مشرقی ممالک میں غالباً مغربی ممالک ہی سے درآمد ہوئی ہے، علامہ طحطاوی نے شیخ نجم غزی شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ دمشق میں پہلی دفعہ ۱۰۱۵ھ میں اس کا ظہور ہوا، [طحطاوی علی المراقی: ۳۶۴] اسی کے آگے پیچھے ایشیا اور افریقہ کے دوسرے ملکوں میں تمباکو کی آمد ہوئی، ہندوستان میں گو تمباکو بہت پہلے سے موجود رہا ہے، لیکن مسلم عہد حکومت میں اکبر کے دور میں حقوں کی صورت میں تمباکو نوشی کے رواج میں اضافہ ہوا، بعض محققین کا خیال ہے کہ تمباکو کا ورود اولاً جنوبی ہند ہی کے علاقہ میں ہوا ہے، چنانچہ حکیم محمد عبد اللہ رقمطراز ہیں:

تمباکو ابتداء میں جنوبی ہند کی طرف سے آیا جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اہل فرنگ ہند میں اسی جانب سے وارد ہوئے تھے، امریکہ کا جنگلی تمباکو آج کل بھی ممبئی ہڑاونکور اور لنکا میں بکثرت پیدا ہوتا ہے، مآثر رحیمی میں مرقوم ہے کہ تمباکو پہلے دکن میں آیا اور وہاں سے اکبر کے زمانہ میں شمال مشرقی ہند میں پہنچا۔ [خواص تمباکو: ص۱۴،۱۳]

تمباکو اور سگریٹ کے نقصانات اب کوئی ایسی چیز نہیں رہی جو محتاج بیان ہو، اب اس کے نقصانات مسلمات میں سے ہیں، یوں تو یہ انسان کے پورے وجود کے لیے مضرت رساں ہے، لیکن خاص کر پھیپھڑے کے لیے سم قاتل ہے، برطانیہ میں ۱۹۵۷ء میں ایک طبی بورڈ مقرر کیا گیا تھا، جس نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ اکثر اموات کا سبب پھیپھڑے کا کینسر ہے اور یہ تمباکو کے استعمال سے پیدا ہوتا ہے، ۱۹۶۲ء کی رپورٹ کے بموجب برطانیہ میں ایک سال میں ۲۳ ہزار انسانوں کی موت صرف پھیپھڑے کے کینسر سے ہوئی جس کا سبب سگریٹ کا استعمال تھا، اس کے علاوہ منہ اور حلق کا کینسر اور دل کی بیماریاں تمباکو کے استعمال کی رہین منت ہیں، تازہ امریکی تحقیق کے مطابق تمباکو میں شامل جزء ”پائرین“ تمباکو نوش کے ”جین“ کو کمزور کردیتا ہے، انسانی جسم میں اگر ”جین، پی ۵۳“ صحت مند ہو تو وہ کینسر کے مقابلہ قوت مدافعت فراہم کرتا ہے، اور یہی جین تمباکو نوشی سے اپنی قوت کھو بیٹھتا ہے، حالیہ تحقیق کے مطابق امریکہ میں کینسر سے جو افراد موت کا شکار ہوتے ہیں، ان میں سے دو تہائی افراد کی تمباکو نوشی، موٹاپا، بسیار خوری اور کاہلی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ [روزنامہ منصف ۱۴/جولائی سائنس ٹکنالوجی ایڈیشن]

سگریٹ میں جو نکوٹین پائی جاتی ہے، خون پر اس کے سخت مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں، تمباکو کا اثر انسان کی قوت ہضم پر بھی پڑتا ہے، آج کل

تمباکو خوری کی جونئی صورتیں وجود میں آئی ہیں جس میں سب سے کثیر الاستعمال ''گٹکا'' ہے، یہ تو اور بھی زیادہ مضرت رساں ہے ، اس سے مسوڑھوں اور منھ کے باہری حصہ کا کینسر ہوتا ہے، اور گٹکا خوری کی وجہ سے کینسر پیدا ہونے کا تناسب تشویش ناک حد تک بہت زیادہ ہے، اسی لیے ہمارے ملک اور دنیا کے متعدد ملکوں میں سگریٹ کے پیکٹ پر قانوناً اس جملہ کے لکھنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے کہ: ''سگریٹ پینا صحت کے لیے نقصان دہ ہے'' اور اب ہمارے ملک میں تمباکو خوری اور تمباکو نوشی کو روکنے کے لیے بعض اور تدابیر کی طرف بھی توجہ کی جارہی ہے۔

مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو تمباکو نوشی کو عام طور پر ناپسند کیا گیا ہے ، ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی تمباکو نوشی کی ممانعت وارد ہوئی ہے، ''براہما پران'' ہندو پرانوں میں سے ایک ہے، اس میں یہاں تک مذکور ہے کہ تمباکو نوشی کرنے والا گو برہمن ہو ''دان'' (عطیہ) دیتا ہو پھر بھی وہ نرک (جہنم) ہی میں جائے گا، ''اسکند پران'' میں ہے کہ ''براہمن، چھتری اور ویش جو تمباکو پیتے ہیں وہ چنڈال کی طرح ہیں''، یاگیہ ولکیہ سمرتی میں آٹھ قسم کی منشیات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں ایک تمباکو بھی ہے، سکھوں کے دسویں گرو گوبند سنگھ جی نے اپنے پیروؤں پر تمباکو کے استعمال کو ممنوع قرار دیا تھا ، [ہدایت ، شمارہ : ۷، ۸، جے پور] اسی لیے گردواروں میں تمباکو رکھنے کو بھی سخت خلاف احترام سمجھا جاتا ہے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں تمباکو غالباً نہیں پایا جاتا تھا، گو بعض روایات میں تمباکو کی مذمت وارد ہوئی ہے ، لیکن یہ روایات حد درجہ ضعیف اور نامعتبر ہیں ، مگر اسلام کی اصولی تعلیمات سے تمباکو کا حکم جانا جاسکتا ہے، اسلام نے بنیادی طور پر تمام نباتات کو حلال رکھا ہے، سوائے ان نباتات کے جو نشہ آور ہوں ، مہلک ہوں یا صحت جسمانی کے لیے ضرر رساں ہوں اور ظاہر ہے کہ تمباکو کا جسم انسانی کے لیے مضر ہونا ایک مسلمہ اور متفقہ حقیقت ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ''مسکر'' اور ''مفتر'' شے سے منع فرمایا ہے:'' نهى عن كل مسكر و مفتر'' [ابوداؤد، باب ماجاء في السكر] مسکر سے مراد نشہ آور اشیاء ہیں، اور مفتر کا لفظ ''فتور'' سے ماخوذ ہے، فتور کے معنی کمزوری اور گراوٹ کے ہیں ، علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں :'' ضعف و انکسار'' [نہایہ:۳/۴۰۸] پس ''مفتر'' کا لفظ ہر ایسی چیز کو شامل ہے جو انسانی جسم اور صحت کو کمزوری سے دو چار کرتا ہو، اسی لیے علامہ محمد عبدالرؤف مناوی نے ''حشیش'' کو بھی مفتر اشیاء میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ علامہ زید الدین عراقی نے بھی اسی حدیث سے ''حشیش'' کے حرام ہونے پر استدلال کیا ہے ، [فیض القدیر:۶/ ۳۳۸] اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ مفتر اشیاء میں تمباکو بھی شامل ہے۔

تمباکو کے احکام کی بابت فقہاء اسلام کے درمیان اختلاف رائے ہے، بعض حضرات نے اس کی مضرتوں کی وجہ سے اسے بالکل ہی حرام قرار دیا ہے، بعض حضرات نے بالکل ہی جائز اور مباح ؛ کیوں کہ چیزوں میں اصل مباح ہونا ہے ، اور بعض اہل علم کے نزدیک یہ مکروہ ہے ، فقہاء شوافع میں علامہ نجم غزی اس کو حرام قرار دیتے ہیں [طحطاوی:۴/ ۳۶۴] ، اور طحطاوی ہی نے بعض فقہاء حنفیہ سے اس کی کراہت نقل کی ہے، ہندوستان میں ماضی قریب کے اہل علم زیادہ تر اس کے جواز کے قائل ہیں ، البتہ اس کو خلاف اولیٰ سمجھتے ہیں اور مسجد جاتے وقت منھ صاف کر کے جانے کی تلقین کرتے ہیں ، مولانا رشید احمد گنگوہی [فتاویٰ رشیدیہ:۴۸۱] ، مولانا اشرف علی تھانویؒ [امداد الفتاویٰ:۴/ ۱۱۴] اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی [فتاویٰ رضویہ : ۱۱/ ۴۵] اور ان سے پہلے کے اہل علم میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی [مجموعہ الفتاویٰ :۱/ ۲۲۹] کے فتاویٰ ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں ، لیکن عرب علماء کا عام رجحان اس کے ناجائز ہونے کی طرف ہے، شیخ عبدالعزیز بن باز ، شیخ محمد ابراہیم آل شیخ کے فتاویٰ اس سلسلہ میں بار بار سعودی عرب سے طبع ہو چکے ہیں ، شیخ محمد ابراہیم کا فتویٰ بہت تفصیلی ہے ، اور انھوں نے حنفیہ ، مالکیہ ، شوافع اور حنابلہ چاروں دبستانِ فقہ کے اہل افتاء کے فتاویٰ اس کی حرمت وممانعت پر نقل کیے ہیں ، یہی رائے علماء ہند میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی ہے ، [تحفۃ الاحوذی:۳/ ۴۴] فقہی نقطۂ نظر سے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ تمباکو کا استعمال مکروہ ہے ، اور طبی اعتبار سے تمباکو کے استعمال کی جو صورت جتنی زیادہ مضرت رساں ہو، اس میں اسی قدر شدت کے ساتھ کراہت پائی جائے گی، ایسا لگتا ہے کہ علمائے ہند تک اس کے نقصانات اور مضرتوں کی تفصیلات پہنچ نہیں پائی تھیں ، انھوں نے تمباکو کے صرف ظاہری اور وقتی اثرات پر نگاہ رکھی اور اس کی اندرونی اور مستقل مضرتوں اور ہلاکت خیزیوں کے بارے میں ان کو کما حقہ علم نہیں ہو پایا، آج کل جو طبی تحقیقات سامنے آرہی ہیں ، اگر یہ ان کے سامنے موجود ہوتیں تو یقیناً ان کا

رجحان اس بارے میں زیادہ شدید ہوتا۔

تمباکو نوشی کے نقصانات عالم اسلام میں جب کبھی بھی سامنے آئے اس کو روکنے کی بھرپور تدابیر کی گئیں، ۱۰۳۲ھ میں سلطان احمد اول نے تمباکو کی تمام دکانیں بند کرنے کا حکم دیا، سلطان مراد چہارم کے بارے میں تو منقول ہے کہ وہ تمباکو نوشی کرنے والوں کے دونوں ہونٹ اور نسوار استعمال کرنے والے کی ناک کٹوا دیتا تھا، شریف مکہ سعود بن سعود نے ۱۱۴۶ھ میں برسر عام قہوہ خانوں اور بازاروں میں تمباکو نوشی کی ممانعت کا فرمان جاری کر دیا تھا، سوڈان میں مہدی تمباکو استعمال کرنے والوں کو اسی ۸۰ کوڑے اور ایک ہفتہ قید کی سزا دیتا، مغل بادشاہ جہانگیر نے اپنی قلمرو میں تمباکو نوشی پر سخت پابندی عائد کر دی تھی، کم و بیش دوسری قوموں میں بھی ملک و قوم کے بہی خواہ حکمرانوں نے تمباکو نوشی کا سد باب کرنے کی بھی کوشش کی، انگلینڈ میں شاہ جاک اول نے سر والٹر رالی کو جس نے انگلینڈ میں تمباکو کو فروغ دیا، گرفتار کر کے سزائے موت دی، سترہویں صدی کے اواخر تک روسی حکام تمباکو نوشوں کو سخت سزا دیا کرتے، پہلی دفعہ کوڑے لگاتے، دوسری بار پینے پر ناک کاٹ دیتے اور تیسری دفعہ میں سزائے موت دے دیتے۔
[ماہنامہ ہدایت، شمارہ:۷]

تمباکو نوشی فطرت سلیمہ کے لیے متفقہ طور پر نہایت مذموم، ناپسندیدہ، اور لائق اجتناب شے ہے، اس سے بچنا اور اگلی نسلوں کو بچانا ہم سب کا فریضہ ہے، بدقسمتی سے نوجوانوں کے لیے اب یہ ایک فیشن بنتا جا رہا ہے، اگر ہم نے اپنی نسلوں کو اس بلائے بے درماں سے بچانے کی کوشش نہیں کی تو یہ ان کے ساتھ سب سے بڑا ظلم ہوگا۔

☆☆☆☆☆

جامعة الهداية

JAMEA TUL HIDAYA

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعۃ الہدایہ، جے پور میں آن لائن انگلش اسپیکنگ کورس (انگریزی بول چال) کا افتتاح

شہرۂ آفاق دینی درسگاہ **جامعۃ الہدایہ** سرزمین راجستھان کے دارالحکومت گلابی نگری جے پور شہر جے پور میں واقع ہے، جامعۃ الہدایہ مدارس اسلامیہ میں اپنے منفرد نصاب تعلیم کی وجہ سے الگ شناخت و امتیاز رکھتا ہے، جہاں وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نصاب تعلیم کے اندر مناسب وقت تبدیلیاں کی جاتی رہی ہیں، کہ یہاں بیک وقت علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ کا حسین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے، یہ خدمت الحمد للہ جامعۃ الہدایہ ۱۹۸۶ء سے بحسن و خوبی انجام دیا جا رہا ہے اور روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

چنانچہ فارغین مدارس کے لئے یک سالہ "**انگلش اسپیکنگ کورس**" کا افتتاح ہونے جا رہا ہے، یہ کورس دو حصوں پر مشتمل ہے۔

الف۔ آٹھ ماہ کا عمومی کورس (ہندوستان میں بولی جانے والی انگریزی کے تناظر میں)

ب۔ چار ماہ کا خصوصی کورس (عالمی ضروریات کے تناظر میں)

لہٰذا خواہش مند حضرات داخلہ کے لئے جامعہ کی ویب سائٹ (www.jameatulhidaya.org) پر جا کر Registration for Admission پر کلک کر کے رجسٹریشن کرا سکتے ہیں۔

نوٹ:۔ رجسٹریشن کی آخری تاریخ [illegible] اگست ۲۰۲۱ء ہے۔

محمد فضل الرحیم مجددی
محمد فضل الرحیم مجددی
امیر جامعۃ الہدایہ، جے پور

Ramgarh Road, Near Manpur Sadwa, P.O. Lalwas, Jaipur - 302027 (Rajasthan)
Contact No. 9799091663 | E-mail: jameahidaya@gmail.com | Web: www.jameatulhidaya.org

محاسن اسلام

غلط فہمیوں کا ازالہ اور تعارف اسلام

مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

اسلام اللہ عزوجل کا برپا کیا ہوا دین ہے، وہ ساری انسانیت کا مذہب ہے، اس نے انسانوں کو اعلیٰ مقام عطا کیا ہے اور ساری کائنات کو اس کا تابع بنایا ہے، وہ اس کائنات کا دولہا ہے، کائنات میں تصرف کے لیے اعلیٰ درجہ کی صلاحیت، ذہن رسا، اور فکری تازگی آفاقی اہلیت سے اس کی گود بھردی گئی ہے، اسلام نے اس کائنات میں انسانی عزت ووقار کو دوبالا کیا ہے۔

آج مذاہب پر بہت کچھ لکھا جارہا ہے، تقابلی مطالعہ بھی جاری ہے، ریسرچ سنٹروں میں تحقیق کا کام بھی ہورہا ہے، لہٰذا یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی جارہی ہے کہ اگر کوئی مذہب حقیقی معنوں میں ہے تو وہ اسلام ہے، اور اس سائنٹفک دور میں بھی وہ اپنی اہمیت، افادیت اور ضرورت کو تسلیم کرواتا ہے۔

ہندی کے ممتاز دانشور ''راجندر نرائن لال'' نے دنیا کے چار مذاہب، ہندو دھرم، بودھ دھرم، عیسائیت اور اسلام کا وسیع اور تقابلی مطالعہ کیا ہے۔

ان کی پیدائش ۸/مارچ ۱۹۱۶ء کو بھرت پور راجستھان میں ہوئی، اور تعلیم وتربیت کاشی میں ہوئی، وہ مذاہب کے تقابلی مطالعہ میں وسیع تجربات رکھتے ہیں، ان کی کتاب ''اسلام ایک سوئم شدھ ایشوری جیوی دیوستھا'' مشہور کتاب ہے، انہوں نے اسلام کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

''اسلام کے لفظی معنی اللہ کی مرضی کے آگے پوری طرح سرتسلیم خم کردینا ہے، یعنی پوری طرح اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہوجانا، اس طرح شروع میں ہی اسلام توحید کا مظہر ہوجاتا ہے، اسلام محمڈن ازم نہیں ہے، اللہ کا برپا کردہ دین ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے، اسلام کے برخلاف ہندو دھرم کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے، بودھ دھرم اور عیسائیت صرف بانیوں سے تعلق کو ثابت کرتے ہیں، اور وسعت کی رہنمائی نہیں کرتے (کسی مذہب کی تردید بالتصدیق بھی ان کا موضوع ہے) اس کے برخلاف اسلام دنیا کے مختلف خطوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بھیجے ہوئے تمام رسولوں اور نبیوں کا احترام کرتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ بنیادی طور پر تمام مذاہب ایک ہی تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب اس میں خارجی امور داخل ہوگئے، ان میں تحریف ہوگئی اور واقعی احکام الٰہیہ سے لوگ بھٹک گئے، تو اللہ نے واقعی قطعی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے قرآن نازل فرمایا: '' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' دین اسلام کا کلمہ ہے، اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں: کلمہ شہادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔

اسلام نے ان اصولوں کو زیادہ با مقصد اور مؤثر بنایا اور معاشرہ کے لیے حیرت انگیز طور پر مفید بنایا ہے، سب سے بڑھ کر خوش آئند بات یہ ہے کہ اسلام میں توحید کو چھوڑ کر دیگر چار اصولوں میں غیر معمولی حالات کے مطابق خصوصی رعایت دی گئی ہے، توحید تو دل و دماغ، اور روح سے، سب سے طاقتور اللہ پر ایمان سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے اس میں رعایت اور چھوٹ کا سوال ہی نہیں ہے، اس میں چھوٹ تو شرک ہے، دیگر دھرموں میں ایک ایشورواد (توحید) میں چھوٹ اور ترمیم و تحریف ہی کی وجہ سے کرپشن آیا، اسلام ہر شرک کو شرک ہی سمجھتا ہے، اسلام نے توحید کو سب سے محفوظ رکھا، یہ اسلام کی سب سے بڑی خوبی ہے''۔

اسلام کے بارے میں راجندر نرائن لال کی مذکورہ کتاب مفید ہے، اس کا ایک حصہ سہ روزہ دعوت نئی دہلی کے ''اسلام اور غلط فہمیاں'' کے خاص نمبر میں شائع بھی ہوا ہے، ضرورت ہے ایسی کتابوں اور مضامین کو برادران وطن میں عام کرنے کی، تاکہ فسطائی تنظیموں کے پھیلائے زہر کا تریاق فراہم کیا جاسکے، اور نفرتوں کی فضا کو محبت کی خوشبو میسر ہوسکے۔

لیکن افسوس کہ ایسے حالات ہوتے جارہے ہیں، بلکہ جان بوجھ کر پیدا کیے جارہے ہیں، جن سے خوش فہمیوں کے بجائے غلط فہمیاں پیدا ہورہی ہیں، حقائق سے گریز کیا جارہا ہے، افترا پردازیاں عام ہیں، اور اسلاموفوبیا کا طاغوت بااثر ہے۔

ضرورت ہے ایسے وقت میں اسلام کا مکمل تعارف کرایا جائے، اور علمی انداز کے علاوہ عملی طور پر اسلام کی نافعیت، صلاحیت اور محاسن کو اجاگر کیا جائے، اس کے لیے قربانی اور ایثار کی ضرورت ہوگی، مختلف علمی وعملی وسائل کو اختیار کرکے میدان عمل میں آنا، اور برادرانِ وطن کے سامنے دینی تعلیمات اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کرنا ہوگا۔

☆☆☆☆☆

ارشاد وتذکیر

انسانی بداعمالیوں کے اثرات ونتائج

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

اس وقت دنیا کے جو حالات ہیں اور جو ایک مصیبت آئی ہوئی ہے، لوگ پریشانیوں اور بیماریوں میں مبتلا ہیں، یہ سب یوں ہی نہیں ہو رہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے اور اس کا نظام بھی طے شدہ ہے، ہم میں سے بہت سے بھائی ایسا کہتے ہیں کہ فلاں نے ایسا کر دیا، فلاں کے کرنے سے ایسا ہوگیا، جس نے جو بھی کیا واقعہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے کیا اور جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے، دنیا کا کوئی نظام چھوٹا یا بڑا اللہ کے حکم کے بغیر نہیں چل سکتا۔ یہ جو اس وقت مصیبتیں آئیں، لوگ بیمار ہو رہے ہیں اور کثرت سے موتیں ہوئیں، یہ سب بھی اللہ کی طرف سے ہوا اور حقیقت میں یہ ایک آزمائش ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعدد جگہوں پر اس کا تذکرہ فرمایا ہے کہ جو مصیبتیں تمہارے اوپر آتی ہیں یہ تمہارے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہیں:

"وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ" [الشوریٰ: ۳۰] (اور تم جس مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور کتنی چیزیں وہ درگزر کر جاتا ہے)۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" [الروم: ۴۱] (لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی ہے کہ خشکی اور تری میں بگاڑ پھیل گیا ہے تاکہ وہ کچھ ان کے کرتوتوں کا ان کو مزہ چکھا دے، شاید وہ باز آجائیں)۔

خشکی اور تری میں بگاڑ پھیل گیا ہے، یہ بگاڑ کیوں پھیل گیا ہے؟ فرمایا: "بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ" یہ لوگوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

وسائل ترقی کا نقصان

لوگوں کے کرتوت دو طرح کے ہیں: کچھ کام وہ ہیں جن کا تعلق ٹکنالوجی یا سائنس سے ہے اور اس میں ہم جو ترقی کرنا چاہتے ہیں، اس میں ہم سے بہت سی ایسی غلطیاں ہوتی ہیں کہ اس کے نتیجہ میں دنیا کا نظام بگڑتا ہے، انسانی جان خطرہ میں پڑتی ہے، طرح طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں، آدمی سہولتیں تلاش کرتا ہے، لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ بعض مرتبہ ان سہولتوں کے نتیجہ میں انسان بڑی بڑی دشواریوں کا شکار ہوجاتا ہے، انسان اپنی طاقت چاہتا ہے لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ کبھی کبھی وہ خود اسی طاقت کا شکار بن جاتا ہے۔ تو ایک طرف تو ہمارے یہ ظاہری اعمال ہیں جن کا تعلق دنیا کے نظام سے ہے، سائنس سے ہے، ٹکنالوجی سے ہے، اس میں ہماری کوتاہیاں اور بے ضابطگیاں ہیں جن کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہو رہی ہے، فیکٹریاں بنائی جارہی ہیں، بڑے بڑے کارخانے ہیں اور اس کے ساتھ طاقت کے جو نئے ذرائع اختیار کیے گئے ہیں، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے جو نتائج دنیا کو بھگتنے پڑ رہے ہیں اور آگے بھگتنے پڑیں گے، اس کا تصور بھی مشکل ہے۔

بداعمالیوں کا نقصان

لیکن اس سے بڑھ کر جو مسئلہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے وہ ہماری بداعمالیاں ہیں، ایک طرف بگاڑ کا سبب یہ ہے جو بیان کیا گیا اور دوسری طرف بگاڑ کا اصل سبب وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ فرمایا ہے اور وہ ہے ہماری بداعمالیاں، اللہ کا نظام یہ ہے کہ اعمال پر نتائج مرتب ہوتے ہیں، آدمی جیسا کام کرے گا اس کے مطابق اس کے نتائج نکلیں گے، اس وقت ہم جن بداعمالیوں کا شکار ہیں، ان کے نتائج ہم کو بھگتنے پڑ رہے ہیں، وہ نتائج مختلف شکلوں میں ہوتے ہیں، بیماریوں کی شکل میں ہوتے ہیں یا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے حکمراں مسلط کرتے ہیں کہ جو دنیا کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں، آپ دیکھئے مسئلہ صرف تنہا ہمارے اس ملک کا نہیں ہے، مسلم ممالک کے جو حکمران ہیں اور بعض مرتبہ آپ دیکھئے تو ہمارے جو مقدس مقامات ہیں وہاں کے جو ذمہ داران اور قائدین ہیں، انہوں نے وہاں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ ایسا طریقہ ہے کہ اس کے بعد عذاب الٰہی نہ آئے گا تو اور کیا ہوگا، وہاں ایسی شکلیں اختیار کی جارہی ہیں جن کا پہلے تصور بھی نہیں تھا، اس کے ساتھ ساتھ عمومی طور پر ہمارے اعمال کے اندر جو ایک بگاڑ ہے وہ ایسا ہے کہ اس کے بعد جو ہو رہا ہے وہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اب لگتا ہے کہ بچاؤ مشکل ہے اور بعض مرتبہ لگتا ہے کہ اب قیامت آنے والی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ قیامت جب آئے گی تب آئے گی، وہ اللہ کا فیصلہ ہے کوئی نہیں جانتا قیامت کب آئے گی، لیکن ہماری یہ بداعمالیاں ایسی ہیں کہ قیامت سے پہلے قیامت آگئی،

قیامت سے پہلے وہ مصائب ہمارے اوپر اللہ کی طرف سے بھیجے جارہے ہیں کہ شاید ہمارے اندر توبہ کا کوئی شمہ پیدا ہوجائے، شاید رجوع کرنے کا ہمارے اندر کوئی جذبہ پیدا ہوجائے اور شاید ہماری زندگی کے اندر کوئی تبدیلی پیدا ہوجائے۔

کرونا وبا اور مسلمانوں کی غفلت

آپ غور کیجیے یہ جو نئی بلا آئی ہے، تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ گذر رہا ہے اور اس سے ساری دنیا جوجھ رہی ہے، لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود ہماری زندگیوں میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی، ہم سب کچھ بھگت رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم جیسی زندگی گذار رہے تھے ویسی ہی زندگی گذار رہے ہیں، آپ چل پھر کر دیکھ لیجیے، ہم اپنی زندگی کو خود دیکھیں، اپنے گھر والوں کو دیکھیں، اپنے محلوں کو دیکھیں، آس پاس رہنے والوں کو دیکھیں اور جو حضرات جانتے ہیں اور ان کا سابقہ پڑتا ہے وہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ برائیوں میں کوئی ادنیٰ فرق نظر نہیں آتا، بلکہ بعض اعتبارات سے آپ دیکھئے تو برائیاں بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں۔

اصلاح کی اولین ضرورت

ایسی صورت حال میں ہم لوگ علاج کریں یا کچھ بھی کریں، لیکن خدانخواستہ جو اس کا اصل سبب ہے، جہاں سے پانی مر رہا ہے، اگر ہم نے وہاں پر اصلاح کی کوشش نہ کی تو ہمارے حالات کبھی بھی بہتر نہیں ہوسکتے، حالات بگڑتے ہی چلے جائیں گے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا ایک نعمت ہے کہ ابھی ہمیں متوجہ کیا جارہا ہے، متنبہ کیا جارہا ہے، ہمیں ایسی مصیبتوں میں ڈالا جارہا ہے کہ شاید ہمارے اندر تبدیلی پیدا ہو، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے:

"وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ"

[سورۃ السجدۃ:۲۱]۔

یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے ہم دنیا کی مصیبتوں میں ڈالتے ہیں تاکہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں، جو مصیبتیں آرہی ہیں، غور کیا جائے اگر پہلے مرحلہ میں ہمارے اندر اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو ہمارے لیے یہ نعمت ہے کہ ہمارے اندر یہ تبدیلی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے اندر اس میں کوئی تبدیلی پیدا نظر ہوتی نہیں آرہی ہے، اسی لیے اب اس کا ڈر ہے کہ اللہ کی طرف سے ڈھیل نہ دے دی جائے اور پھر صورت حال یہ ہو کہ ہم اللہ کے عذاب سے اور آخرت کے عذاب سے بچ نہ سکیں، اس سے پہلے ہمیں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

احتیاط کی تعلیم

ہمیں جو اسباب اختیار کرنے کا حکم ہے وہ ہمیں کرنا چاہیے، اس میں کوئی حرج نہیں، بعض روایات سے بھی اندازہ ہوتا ہے اور فقہ کی کتابوں میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ اگر اس طرح کی وبائیں آرہی ہوں اور بیماریاں پھیل رہی ہوں تو آدمی زیادہ تر چھت کے نیچے رہے، فضاؤں میں نہ گھومے، زیادہ وقت اپنا اندر رہنے میں گزارے، بے ضرورت باہر نہ نکلے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اپنے منھ کو کپڑے سے ڈھک لے اور بعض جگہ کانوں کو ڈھکنے کا بھی ذکر ہے۔ یہ احتیاطی تدابیر ہیں لیکن یہ سمجھ لے کہ یہ جو کچھ بھی ہورہا ہے یہ ایک تدبیر کے طور پر ہے، اللہ کا جب حکم ہوتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے، بہت سے لوگ ہیں اور ایسی بہت سی مثالیں ہیں، وہ آخری درجہ میں احتیاط کرنے والے تھے لیکن اللہ کا حکم ہوا کہ بیماری میں مبتلا ہوگئے، فیصلہ تھا دنیا سے چلے گئے اور ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے آخری حد تک بے احتیاطی کی، بعض نے ضرورۃً کی کہ وہ مریضوں کی خدمت میں لگے اور بعض مرتبہ ایسے لگے کہ مستقل ان کے ساتھ رہے لیکن اللہ کا فیصلہ کہ وہ مہینہ دو مہینہ بلکہ نہ جانے کتنے مہینے ساتھ رہے اور اس کے باوجود بھی وہ پازیٹو نہیں ہوئے اور ان کو بیماری نہیں لگی، گویا اللہ نے یہ دکھایا کہ جس کو ہم چاہتے ہیں تو لگتی ہے اور جس کو ہم نہیں چاہتے اس کو نہیں لگتی۔

اصل ضرورت

معلوم ہوا کہ ایسے حالات میں ہرگز ڈرنا نہیں چاہیے کہ بیماری نہ لگ جائے، کہیں مصیبت نہ آجائے، اگر ڈر ہے تو اللہ کا ڈر ہونا چاہیے کہ اللہ ہمیں پکڑ نہ لے، اللہ ہمارے اعمال پر ہماری گرفت نہ کرلے، بیماری سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ سے پناہ مانگنے کی ضرورت ہے، اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے، جس کے نتیجہ میں یہ مصیبتیں ہمارے اوپر آرہی ہیں، اگر ہم نے اللہ کی طرف رجوع نہ کریں اور اللہ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ نہ کی، اپنے سماج کو بدلنے کی کوشش نہ کی، تو حدیثوں میں صاف صاف یہ باتیں آئی ہیں کہ جب برائیاں پھیلیں گی، فواحش ومنکرات پھیلیں گے، میوزک کی کثرت ہوگی، مزامیر کی کثرت ہوگی تو اللہ کی طرف سے مصیبتیں آئیں گی، زلزلے آئیں گے اور آندھیاں آئیں گی، طوفان آئیں گے، بیماریاں آئیں گی اور حدیثوں میں یہ بھی آتا ہے کہ قیامت جب قریب آنے لگے گی تو موتوں کی کثرت ہوگی،

قیامت کے قریب آنے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت اللہ تعالیٰ جب بھی فیصلہ ہوگا لے آئے گا لیکن یہ جو ظاہری اسباب ہمارے سامنے ہیں یہ ایسے ہیں کہ لگتا ہے ہماری قیامت آنے والی ہے اور یہ حالات خود قیامت سے کم نہیں۔

ہمیں اس کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے، توبہ کرنے کی ضرورت ہے، گناہوں پر ندامت کی ضرورت ہے اور اپنے سماج کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ہم اپنے گھروں میں ٹھیک ہیں لیکن ہمارے محلوں میں کیا ہورہا ہے، ہمارے نوجوان کدھر جارہے ہیں؟ جو بھی ذمہ دار حضرات ہیں جن کا سماج پر اثر ہے، وہ اس کی فکر کریں اور لوگوں کو صحیح راستہ پر لانے کے لیے جو ہوسکے اس کی تدابیر اختیار کریں، یہ ہماری سب سے بنیادی ذمہ داری ہے۔

اگر ہم نے ان شاء اللہ اس موقع پر یہ فکر کی تو ہم جو ظاہری تدابیر اختیار کررہے ہیں، اس کا فائدہ اپنی جگہ پر مگر میں سمجھتا ہوں کہ اپنے اعمال کی اصلاح کرکے، اللہ سے تعلق کو مضبوط کرکے جو کچھ حاصل کرسکتے ہیں اور اپنے بچاؤ کا سامان کرسکتے ہیں، وہ بچاؤ کا سامان شاید ہم ظاہری تدابیر سے بھی نہیں کرسکتے، تو ہمیں ظاہری تدابیر اختیار کرنی چاہیے، ہمیں اس کا حکم ہے لیکن اس سے بڑھ کر جو اصل تدابیر ہیں ان کی طرف ہمیں توجہ کرنی چاہیے کہ اس وقت دنیا میں جو فساد پھیل رہا ہے، وہ فساد ہماری بداعمالیوں اور ہمارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

اہل ایمان و اہل کفر میں امتیاز

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ بہت سے گناہوں کو معاف کردیتا ہے، اگر وہ پوری پکڑ کرنے لگ جائے تو دنیا تباہ ہوجائے، دنیا باقی نہ رہے، سب ختم کردیے جائیں لیکن آپ دیکھئے لوگ دندناتے پھرتے ہیں، اللہ کے بڑے بڑے باغی، دنیا میں اللہ کے منکر چل پھر رہے ہیں، ان کا دور دورہ ہے، بڑی بڑی حکومتیں ان کے پاس ہیں، وسائل ان کے پاس ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے چونکہ دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں رکھی، اس لیے اللہ کے یہاں ان چیزوں کی کیا حقیقت ہے جو اللہ نے ان کو دے دیں، حکومتیں ان کو دے دیں، ان کو طاقتیں دے دیں، ان کو وسائل دے دیے، ان کو دولتیں عطا کردیں، یہ ساری چیزیں اللہ کے یہاں پرکاہ کے برابر بھی نہیں۔

لیکن آج ہمارے ذہنوں کے دریچے ایسے بند ہوگئے ہیں کہ ہم نے بالکل سوچنا چھوڑ دیا اور ہم بھول گئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا ہمیں کس لیے دی تھی، ہم نے دنیا کو سب کچھ سمجھ لیا، یاد رکھنا چاہیے کہ وہ تو اللہ نے ان کو دے دی، ان کے لیے دنیا ہی ہے، ایمان والوں کے لیے اللہ نے جنت رکھی، آخرت کی کامیابیاں رکھیں اور دنیا کی نعمتوں میں جو جائز نعمتیں ہیں وہ اللہ نے ان کے لیے بھی رکھی ہیں، فرمایا:

"کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً" [المؤمنون:۵۱]

پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے اچھے کام کرو، اس کے علاوہ بھی اور جگہوں پر اس طرح کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، گویا یہ اس کی اجازت ہے کہ اللہ نے دنیا میں جو نعمتیں دی ہیں، آدمی ان کا استعمال کرسکتا ہے، لیکن سمجھنا چاہیے دنیا وآخرت کا فرق کیا ہے، دنیا کی زندگی کتنے دن کے لیے ہے، پھر آدمی چلا جائے گا اور پھر آج کل کے حادثات وواقعات جو ہورہے ہیں یہ ہمیں اور سبق دیتے ہیں کہ کون زندہ ہے جو کل زندہ رہے گا، کس کا بھروسہ ہے کہ وہ کل بھی زندہ رہے گا، ابھی آدمی کھڑا تھا، باتیں کررہا تھا اور ابھی گرا اور ختم ہوگیا، ایسے کتنے واقعات پیش آتے ہیں تو اصل مسئلہ ہماری آخرت کی زندگی کا ہے کہ ہمیں اس کی تیاری کرنا چاہیے، اس کے لیے ہمیں فکر کرنی چاہیے۔

ڈر کس کا ہو؟

آج کل کے جو حالات ہیں، ان حالات میں ہمیں اپنی زندگی کو صحیح رخ پر لانے کی ضرورت ہے، جو احتیاطی تدابیر مناسب ہیں وہ بھی اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور ڈر کو اپنے ذہن ودماغ سے نکال دینے کی ضرورت ہے، اللہ پر یقین کرنے کی ضرورت ہے، سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے ہاتھ سے کچھ نکل گیا، سب اللہ کے ہاتھ اور اس کی قدرت میں ہے، اس کی طاقت سب سے بڑی ہے، دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کے کرنے سے ہوتا ہے، ہمیں اس کا یقین ہونا چاہیے، جب یہ یقین پیدا ہوگا تو آدمی کی زندگی آسان ہوجائے گی، اس کا ڈر نکل جائے گا۔ہم اپنے گھر میں سلامتی کے ساتھ ہیں، اب ہم باہر نکلتے ہوئے ڈر رہے ہیں کہ نہ جانے کیا ہوجائے گا، اگر ہمیں اللہ کی ذات پر یقین ہے کہ جب ہی ہوگا جب وہ چاہے گا تو ہمیں کہیں بھی ڈر اور خوف نہیں ہوگا اور اگر اللہ کی ذات پر یقین نہیں بلکہ ہمیں بیماری کا ڈر ہے، تو یہ بیماری اور یہ چھوٹے موٹے کیڑے اور یہ چھوٹے موٹے ذرات جن کی اللہ کے یہاں کیا قیمت ہے، یہ تو اللہ کے یہاں بہت حقیر چیز ہے، اس سے بڑی چیزوں کی اللہ کے یہاں کیا قیمت ہے؟

ظاہری تدابیر

اللہ کے فیصلے اصل ہیں، اللہ کی ذات پر یقین رکھا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اللہ کے کرنے سے ہی ہوتا ہے، یہ اسباب کچھ نہیں لیکن چونکہ اللہ نے

دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے، اس لیے ہم اسباب اختیار کریں، لیکن ظاہری اسباب اختیار کرنے میں یہ ضرور سمجھ لیا جائے کہ سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے، اسباب کے اندر بھی تاثیر جب پیدا ہوتی ہے جب اللہ چاہتا ہے، کتنے بیمار ہوئے، آخری حد تک پہنچ گئے، جان نکلنے لگی، واپس آگئے اور ایک آدمی کچھ نہیں بس چلا جارہا ہے مگر اچانک بیمار ہوا، گرا اور فوراً ختم ہوگیا، تو یہ سب کچھ نہیں ہے، یہ سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے، اس میں نہ ڈرنے کی ضرورت ہے، نہ کسی قسم کی پریشانی کی ضرورت ہے، ڈرنا چاہیے تو بس اللہ سے ڈرنا چاہیے، پریشانی ہونی چاہیے تو اپنے گناہوں پر پریشانی ہونی چاہیے، جس کے نتیجہ میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

مایوسی کفر ہے

اگر ہمارے اندر یہ احساس پیدا ہوجائے اور ہم اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرلیں تو اللہ سے حالات کی بہتری کی امید ہے، اللہ سے مانگیں، خوب دعائیں کریں، زندگی کو بہتر بنائیں، صحیح مزاج بن جائے، زندگی کا رخ درست ہوجائے، پورے ماحول میں ایک نورانیت پیدا ہوجائے، پوری انسانیت طے کرلے کہ وہ اپنے اعمال اچھے کرلے، کم از کم پوری دنیا میں رہنے والے مسلمان اچھے ہوجائیں، تو ساری وبائیں ختم ہوجائیں گی، ساری مصیبتیں اور بلائیں ختم ہوجائیں گی، اللہ کی طرف سے رحمتوں کا نزول شروع ہوجائے گا؛ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ وبائیں تو اپنی بداعمالیوں سے ہم نے مول لی ہیں، ہمیں اس پر اللہ سے توبہ کرنی ہے، اپنے گناہوں پر ندامت کرنی ہے اور کوشش کرنی ہے کہ ہماری آئندہ زندگی بہتر ہو۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆عمدہ کاغذ ☆بہترین طباعت ☆خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	قصص النبیین (اول)	45/-
۲	قصص النبیین (دوم)	40/-
۳	قصص النبیین (سوم)	80/-
۴	قصص النبیین (چہارم)	65/-
۵	قصص النبیین (پنجم)	85/-
۶	القراءۃ الراشدۃ (اول)	75/-
۷	القراءۃ الراشدۃ (دوم)	75/-
۸	القراءۃ الراشدۃ (سوم)	90/-
۹	معلم الانشاء (اول)	85/-
۱۰	معلم الانشاء (دوم)	90/-
۱۱	معلم الانشاء (سوم)	80/-
۱۲	مختارات (اول)	130/-
۱۳	مختارات (دوم)	150/-
۱۴	منثورات	155/-
۱۵	الادب العربی	160/-
۱۶	شرح شذور الذہب	120/-
۱۷	الفقہ المیسر	165/-
۱۸	قطر الندیٰ	100/-
۱۹	سوانح مولانا محمد یوسفؒ	300/-
۲۰	تہذیب الاخلاق	155/-
۲۱	شذی العرف	170/-
۲۲	تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ	95/-
۲۳	مباحث فی علوم القرآن	300/-
۲۴	علم التصریف	80/-
۲۵	تمرین النحو	75/-

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ 9889378176

مکتبہ ندویہ، احاطہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ 8960997707

مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ 9415912042

مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ 9198621671

مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنؤ 9936635816

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر **مجلس صحافت ونشریات**

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فکر وعمل

حکمت ودانائی بیش بہانعمت

ڈاکٹر عائشہ یوسف

”وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً“ [البقرۃ ۲:۲۶۹] (اور جس کو حکمت ملی، اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی)۔

عربی زبان میں لفظ حکمت کا مادہ ، تین حروف ’ح، ک اور م‘ ہیں، اس مادے سے مختلف الفاظ پیدا ہوتے ہیں، ایک تو یہی لفظ حکمت ہے، جسے عام فہم زبان میں دانائی اور فراست کہا جاتا ہے اور جس کے حامل کو حکیم (جمع حکماء) کہتے ہیں، دوسرا لفظ حکم ہے، جس کے معنیٰ فیصلہ کرنا (اور حکم دینا) ہیں، اور فیصلہ کرنے والے کو حکم کہتے ہیں، اس فیصلے میں بھی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے، اس مادے سے تیسرا لفظ حکومت ہے، جس کا حامل حاکم (جمع حکام) ہوتا ہے، اس حاکم کے لیے بھی دانائی اور فیصلہ کرنا ناگزیر ہیں۔

حکمت: لغوی و اصطلاحی معنی

کسی عمل یا قول کو اس کے تمام اوصاف کے ساتھ مکمل کرنا۔[تفسیر بحر محیط]

بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعہ سے جاننا۔[لسان العرب]

حکمت علم ہے، حکیم عالم اور کاموں کو خوبیوں سے کرنے والا ہے۔[صحاح اللغۃ]

علم اور عقل کے ذریعہ صحیح بات تک پہنچنا۔ [مفردات القرآن]

حکمت سے مراد صحیح بصیرت اور صحیح قوت فیصلہ ہے۔[تفہیم القرآن]

ہر وہ بات جو تجھے سمجھائے یا تنبیہ کرے، یا کسی اچھی خصلت کی طرف بلائے، یا کسی بری چیز سے روکے، وہ حکمت اور حکم ہے۔[جمھرۃ اللغۃ]

اس کے علاوہ لغات میں یہ الفاظ بھی دیے گئے ہیں، علم، فلسفہ اور کلام، استدلال، بردباری اور حوصلہ، عدل وانصاف، علاج۔

علم اور حکمت میں ایک بنیادی فرق ہے، علم جاننا ہے، اور حکمت علم سے آگے کا مرحلہ ہے، علم کا استعمال صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی، لیکن حکمت علم کو صحیح استعمال کرنے کا نام ہے۔

حکمت کے اجزاء

حکمت کے لغوی اور اصطلاحی معنی دیکھتے ہوئے اور اس لفظ کے متعلق تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکمت ایک جامع صفت ہے، جو کئی صفات کا مجموعہ ہے، ان صفات کا اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

۱-صحیح سمجھ اور فہم: معاملہ فہمی، مردم شناسی، واقعات کو سمجھنا، صورت حال کو سمجھنا، مسلمہ امور اصول میں پوشیدہ حکمت کو سمجھنا۔

۲-درست فہم کے لوازمات: کثرت علم، مشاہدہ، نتیجہ اخذ کرنا، مشاہدات اور تجربات سے استنباط، قوت حافظہ، غور وفکر، تدبر، تفقہ، تحمل، برداشت اور بردباری۔ اپنے جذبات پر قابو، وسعت قلب ونظر اور اپنے علم کا اطلاق کرنا۔

۳-صحیح فہم کے اجزا: باریک بینی (معاملے کی گہرائی پر نظر)، بصیرت (معاملے کے پوشیدہ پہلوؤں تک پہنچ جانا) اندرون معاملہ یا تمام مثبت ومنفی پہلوؤں پر نظر، بیرون معاملہ یا تمام متعلقہ دائروں پر نظر، معاملے کو جامع تناظر میں دیکھنا، مختلف رخ سے یا دوسرے کی نظر سے یا معروضی نظر سے دیکھنا، دور بینی (کوئی معاملہ آگے جا کر کہاں منتج ہوسکتا ہے؟) پیش بینی، آگے کیا ہونے والا ہے؟ (انسان کے پاس علم غیب نہیں، لیکن کڑیاں جوڑ کر اندازہ لگانے کی صلاحیت ہے)۔

۴-رائے قائم کرنے کی صلاحیت: صاحب الرائے ہونا (گومگو کی حالت میں نہ رہنا)، رائے مضبوط ہونا (بے جا اصرار نہ ہو لیکن رائے پر دلائل کے ساتھ قائم ہو)، صائب الرائے ہونا یا اصابت رائے کی صفت ہونا، مختلف پہلوؤں میں توازن ملحوظ رکھ کر (حکمت کا لغوی مطلب عدل بھی ہے)، ہر چیز کو اس کا صحیح مقام دے کر، ہر چیز کی صحیح قدر کا تعین کر کے، نتائج اور اسباب اور مقاصد کے ادراک کے ساتھ، دلیل سے رائے پر پہنچنا یا قوت استدلال ہونا (حکمت کے لغوی معنی فلسفہ اور استدلال بھی ہیں)۔ اس رائے کو بنانے میں: حالات کے مطابق ڈھلنا آتا ہو (اصول بھی برقرار رہیں)، جذبات پر قابو ہو اور ردعمل جذباتی نہ ہو (جذبات کا لحاظ بھی رہے)، حزم و احتیاط ہو (پیش قدمی بھی ہو)۔ صحیح کو صحیح سمجھنا اور غلط کو غلط سمجھنا، دو صحیح آراء میں سے صحیح تر کو ترجیح دینا، صحیح اور غلط اگر خلط ملط ہوں تو چھانٹ کر صحیح رائے بنانا اور امتیازی حد کو پہچان جانا خواہ وہ نظریے میں ہو یا کلام میں یا عمل میں۔

۵-قوت فیصلہ: حدیث کے مطابق قابل رشک ہے وہ شخص جسے حکمت دی گئی اور وہ اس سے فیصلے کرتا اور اس کی تعلیم دیتا ہے، قوت فیصلہ کے ضمن میں درج ذیل امور اہم ہیں:

(الف) کیا کام صحیح ہے؟ اس نتیجے پر پہنچنا،

کئی کاموں میں سے ترجیح کس کو دینا ہے؟ جگہ، وقت، انسانوں، مضمرات کے لحاظ سے اہم اور کم اہم اور غیر اہم کام کون سے ہیں؟ اہم میں سے فوری کام کون سے ہیں؟ کام کا احسن طریقہ کیا ہے؟ منصوبہ بنانا۔ وسائل واستعداد اور مسائل کو ذہن میں رکھتے ہوئے، مقصود کی طرف پیش قدمی اور غیر مطلوب ولایعنی کو الگ کرنا۔ سارے کاموں کا آپس میں اعتدال وتوازن رکھتے ہوئے فیصلہ کرنا کہ کسی صحیح کام کے لیے صحیح وقت کون سا ہے؟

(ب) اس وقت کے لیے کون سا کام صحیح ہے؟ کسی بھی درپیش صورت حال میں، مسائل کا حل نکال لینا اور راستہ بنا لینا (حکمت کا لغوی، مطلب 'حوصلہ' بھی ہے)۔ اصول بدلے بغیر حالات کے لحاظ سے تدبیر کر لینا، لکیر کا فقیر نہ ہونا، کئی تدابیر اور کئی راستوں پر نظر ہونا، کئی راستوں میں سے مناسب ترین راستہ یا حل چننا۔

(ج) موقع شناسی، کوئی کام بے موقع نہ کرنا اور موقع ہو تو اسے ضائع نہ کرنا۔

(د) منفی عوامل کا رخ ممکنہ حد تک اپنے حق میں کرنا، مشکلات کو آگے بڑھنے کا ذریعہ بنانا۔

(ہ) فیصلے کا مضبوط ہونا، تلون مزاجی نہ ہونا (ایک دفعہ سوچ کر سو دفعہ فیصلے نہ کرنا بلکہ سو دفعہ سوچ کر ایک دفعہ فیصلہ کرنا)۔

(و) کس انسان سے کس طرح معاملہ کرنا ہے؟ کس وقت کون سی بات، کس طرح کرنا ہے؟ ہمیشہ صحیح اور نافع بات کرنا، مختصر گفتگو میں سارے نکات کو سمیٹنا۔

حکمت کے ذرائع

حکمت کن ہستیوں میں پائی جاتی ہے؟ اس کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے:

اس کائنات کی وہ ہستی جو ہر تعریف اور کمال کی مرجع ومنبع ہے، اس میں حکمت بھی بدرجۂ اتم موجود ہے، اس کی یہ صفت ''حکیم' قرآن میں ۹۴ جگہ آئی ہے، واضح رہے کہ مذکورہ بالا 'حکمت کی ذیلی صفات یا اجزا' اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہی کامل درجے میں موجود ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کا اطلاق صرف انسان پر ہوتا ہے، علم اور حکمت میں یہ فرق ہے کہ علم حاصل کیا جاتا ہے، جب کہ حکمت خداداد ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمہ پہلو حکمت عطا کی گئی [النساء ۴:۱۱۳، بنی اسرائیل ۱۷:۳۹]۔ تمام انبیائے کرام حکمت سے متصف تھے۔ [آل عمران ۳:۸۱] چند نبیوں کے ساتھ خصوصاً حکمت کا ذکر ہے۔

اس کے علاوہ مختلف انبیاء کو 'حکم' عطا ہونے کا ذکر ہوا ہے، جس سے مراد مفسرین نے حکمت ہی لی ہے، لقمان کی حکمت ضرب المثل ہے، جس کا قرآن میں بھی ذکر ہے [لقمان ۳۱:۱۲-۱۹]، صحابہ کرامؓ میں سے بھی بہت سے حکمت میں ممتاز ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے منکرین زکوۃ کے متعلق دین کے منشا کو باقی صحابہؓ سے بہتر سمجھ لیا تھا، حضرت عمرؓ بہت معاملات میں وحی کے نزول سے پہلے دین کا منشا سمجھ جاتے تھے۔ مثلاً شراب کی حرمت، پردے کا حکم، اذان کا طریقہ، قیدیوں کی سزا اور منافقوں کی نماز جنازہ کے متعلق احکامات۔

حکمت ودانائی کی باتوں کو بھی حکمت کا ہی نام دیا جاتا ہے

اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب قرآن کریم حکمت سے بھرپور ہے، جس کی یہ صفت بیان ہوئی ہے: القرآن الحکیم [یٰس ۳۶:۲]، الکتٰب الحکیم [یونس ۱۰:۱، لقمان ۱۳:۱]، الذکر الحکیم [آل عمران ۳:۵۸]۔

اس کتاب کی ترتیب، اس کی زبان کی فصاحت اور اس کے مضامین، سب میں حکمت موجود ہے۔

اسی طرح قرآن میں چار جگہ رسولؐ کے چار فرائض منصبی بتائے گئے ہیں [البقرۃ ۲:۱۲۹، ۱۵۱، آل عمران ۳:۱۶۴، جمعہ ۶۲:۲]۔ یہ چار فرائض منصبی ہیں: تلاوت آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت علماء نے حکمت کی تعلیم کے الگ ذکر سے مراد 'حدیث' کی تعلیم کو لیا ہے، اور حکمت کو حدیث یا سنت کا ہم معنی قرار دیا ہے، پھر دین کی ساری تعلیمات حکمت ہیں [بنی اسرائیل ۱۷:۳۸]۔

سورۂ قمر میں عبرت کے واقعات کے بعد 'حکمۃ بالغۃ' کہا گیا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ ان واقعات میں سبق پوشیدہ ہے، اور یہ صحیح اور صاف بات حکمت ہے، اور بالغہ کا یہ مطلب بھی ہے کہ ایسی بات جو دل تک پہنچنے والی ہو۔

واضح تعلیمات اور علم کے بعد حکمت ہر انسان کے فہم کا نام ہے، جو علماء ومفسرین کے مختلف الفاظ میں یہ ہے: تفقہ فی الدین، دین کی معرفت، سمجھ بوجھ، حق وباطل، خیر وشر میں تمیز و فیصلہ، قرآن کا فہم، رسولؐ کے دیے گئے احکام، سنت نبویؐ کا علم، قول صادق، فہم علم، اصابت رائے، قوت فیصلہ، اس علم پر عمل اور عمل صالح، ان سب کی مراد ایک ہی ہے، یعنی دین کا فہم اور عمل۔

اللہ تعالیٰ اور بندوں کی حکمت میں فرق

لفظ 'حکمت' جب حق تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جائے تو معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں، اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے، تو موجودات کی صحیح معرفت اور اس کے مطابق عمل مراد ہوتا ہے۔ [مفردات القرآن]

انسانوں کی حکمت میں سب سے بڑی حکمت یہ

ہے کہ انسان یہ سمجھ جائے کہ اس کی یہ زندگی جو اسے ظاہری آنکھوں سے نظر آرہی ہے، اس کی اصل زندگی کا محض ایک جزء ہے، سب سے بڑی ہوشیاری اور عقل مندی یہ ہے کہ وہ کل کے لیے ذخیرہ کرلے، مختصر زندگی سے طویل زندگی کی خوش حالی کا بندوبست کرلے، اس زندگی کے لیے لامتناہی زندگی کو خراب کر لینے سے بڑھ کر کوئی بے وقوفی نہیں، دنیا اور آخرت کی حقیقیت پہچاننے سے بڑی کوئی حکمت نہیں، اس لیے ہر خیر پر عمل اور ہر برائی سے بچنا حکمت ہے۔

ایمان باللہ اور حکمت کا براہ راست تعلق ہے، جو درج ذیل نکات سے معلوم ہوتا ہے:

۱-بعض علماء نے کہا ہے کہ معرفت باللہ ہی حکمت ہے، یہ حکمت ہی ہے کہ اس کائنات کا مشاہدہ کر کے، غور وفکر کر کے، یہ استنباط کیا جائے کہ یہ نظام خود بخود نہیں چل سکتا، اور نہ بہت سے خدا اسے چلا سکتے ہیں، اور اس طرح حقائق تک پہنچا جائے۔

۲-رأس الحکمة مخافة اللّٰہ [ابوداؤد] (اللہ کا خوف، حکمت کی چوٹی ہے)۔

۳-اللہ کے شکر کی اساس بھی حکمت ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے: ''ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے''۔ [لقمان ۳۱:۱۲]

دوسرے الفاظ میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ، یا اسلام کے دائرے میں داخل ہونا سب سے بڑین حکمت ہے، پھر یہی قدم قدم پر حق اور باطل کو الگ الگ کر کے دکھاتی ہے۔

دوسرے الفاظ میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ، یا اسلام کے دائرے میں داخل ہونا سب سے بڑی حکمت ہے، پھر یہی حکمت قدم قدم پر حق اور باطل کو الگ الگ کر کے دکھاتی ہے، یہ حکمت دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں کھول کے دکھادیتی ہے، اور پھر اس کے علاج کے طریقے بھی واضح کرتی ہے، اور یہی حکمت زبان پر اور عمل میں جاری ہوجاتی ہے۔

اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کے بعد بھی حکمت کا بہت بڑا کردار ہے۔

اسلام میں حکمت کا کردار

آیات انفس وآفاق: آیات انفس و آفاق میں پوشیدہ حکمت دریافت کر کے اللہ و آخرت پر ایمان کو پختہ کرنا۔

احکام شریعت: احکام شرع کی حکمت و مصلحت دریافت کر کے ایمان پختہ کرنا اور نئے مسائل میں اجتہاد کے لیے بھی مدد لینا۔

عمل میں احتیاط: عمل اس طرح کرنا کہ اس کا اجر زیادہ سے زیادہ ملے، اور احتیاط کرنا کہ عمل کا اجر ضائع نہ ہو، مقولہ: ''اس عبارت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں کوئی تفقہ نہیں، اور نہ اس علم میں کوئی بھلائی ہے، جس میں سمجھ بوجھ نہیں، اور نہ تدبر کے بغیر قرآن کی قرأت میں کوئی بھلائی ہے''۔

احکام میں درجہ بندی: اسلامی احکام کی درجہ بندی کا علم ہو اور عمل میں یہ حکمت ظاہر ہو، مثلاً اصول کون سے ہیں اور جزئیات کون سے؟ حرام کیا ہے اور مباح کی حد کہاں تک ہے؟ فرض کیا ہے اور نفل کیا ہے؟ ان میں جزئیات، مباح اور نفل میں نرمی کو برقرار رکھنا بھی حکمت ہے۔

حکمت معاملات: حقوق العباد میں توازن، مشکل مزاج انسان سے معاملات میں اخلاقیات کی پاس داری، اور مراتب وصورت حال کے لحاظ سے نرمی وسختی کے لیے سیرت النبیؐ سے اس حکمت کے متعدد نمونے مل سکتے ہیں، مثلاً ازواج مطہراتؓ کے درمیان معاملات، حجر اسود کے تنازعے میں سردارانِ قریش سے معاملہ، یہود اور منافقین کے ساتھ ایک ریاست میں رہنا، اجڈ بدوؤں اور دیگر مذاہب کے وفود سے معاملات، مال غنیمت کی تقسیم پر شاکی مسلمانوں سے معاملات۔

حکمت تبلیغ: تبلیغ کے لیے حکمت کا قرآن میں خصوصاً ذکر ہے۔ [النحل ۱۶:۱۲۵] اس موضوع پر بہت سی کتب دستیاب ہیں، انسانیت نفسیات کی عمومی سمجھ، مختلف گروہوں اور افراد کے مزاج کی سمجھ، ان کو قائل کرنے اور ان سے کام لینے کے لیے مختلف تدابیر نکالنا۔

حکمت انقلاب: رسول اللہؐ کا مشن اپنانے والی اسلامی تحریکوں کو اپنے مقصد کی طرف پیش قدمی کے لیے حکمت تحریک اپنانا چاہیے، مثلاً کس مرحلے پر، کس محاذ پر کس کام کی ضرورت ہے؟ ہر معاملے میں متوازن حکمت عملی کیا ہو؟ مکمل کام کیا ہے اور کس میدان میں کیا ترجیحات ہیں؟ حالات، جگہ اور وقت کے لحاظ سے ان میں کسی تبدیلی کا امکان یا جواز ہے؟ بنیادی نظریے کے مطابق کون سے اصول ہیں جو ناقابل تغیر ہیں؟ دین کا مکمل نظام اور اس میں احکام کی حکمت کیا ہے اور اس لحاظ سے کیا تدریج ہو سکتی ہے؟ مختلف مواقع پر دین کو کس طرح پیش کرنا چاہیے؟

انقلاب کی جدوجہد میں کسی بھی کام یا پیش قدمی کے لیے کون سا موقع مناسب ہے؟ اور کوئی موقع موجود ہو تو اس کی پہچان میں غفلت یا غلطی کیے بغیر زیادہ سے زیادہ فائدہ کیسے اٹھایا جائے؟

اپنی قوت کار اور وسائل کی صحیح صورت حال اور ان میں اضافے کی تدابیر کیا ہیں؟ کسی خاص کام کے لیے کون سے وسائل اور طریق کار مناسب ہے؟ کس کام کے لیے کتنی قوت کار اور کتنے فی صد وسائل کا ارتکاز چاہیے؟ ضرورت پڑنے پر کم سے کم وقت میں وسائل اور قوت کیسے مہیا کی جائے؟

کسی مزاحمت کا پس منظر کیا ہے اور کس مزاحمت کا کس جگہ، کس، کس طرح سامنا کرنا ہے؟ کس مزاحمت سے کنارہ کشی کرتے ہوئے اپنا راستہ نکالنا ہے؟

متوازن اور مؤثر نظام جماعت کیسے ترتیب دیا جائے؟ اجتماعی وقت اور وسائل کو ضیاع سے بچاتے ہوئے، تمام افراد کی صلاحیتوں کا بہترین استعمال کیسے کیا جائے؟

حکمت تفقہ: جدید مسائل کے لیے حکم یا اسلامی مزاج سے قریب ترین عمل کے لیے حکمت تفقہ ہونا چاہیے، اسلام کے مجموعی مقاصد کی سمجھ، مصلحتوں کی ترتیب، مفاسد کی ترتیب، ترجیح کے اصول، احکام کے اسرار، اضطرار کے لیے احکام، تدریج، نتائج کا لحاظ، عمل کی روح اور ظاہر دونوں کا لحاظ، فقہ کے اصول اور قواعد ایک مدون علم ہے جو بہت سے لوگوں کی حکمت کا نچوڑ ہے۔

حکمت دنیوی امور میں

مختلف دنیوی معاملات میں حکمت کا ظہور ہوتا ہے، یا اس کی ضرورت ہوتی، مثلاً گھریلو امور، ملازمت و پیشہ ورانہ امور، کسی تنظیم کو چلانے، کسی مقصد کو آگے بڑھانے، حکومتی معاملات چلانے، انسانوں کو آگے بڑھانے کے لیے، بچوں یا بڑوں کو، نظریاتی، عملی، مہاراتی اور پیشہ ورانہ تربیت، کسی علم یا فن کی گہرائیوں کو سمجھنے کے لیے۔

انہی چھوٹے دائروں کے اندر حکمت عملی اور کچھ طریقے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو قرآن وسنت سے ماخوذ نہیں ہوتے، بلکہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل اور تجربے سے انہیں اخذ کیا ہوتا ہے، انہیں اپنانے میں مومن کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟ اگر یہ حکمت اسلامی اصولوں کے خلاف نہیں، تو اسے اپنانے میں مومن کو نہیں ہچکچانا چاہیے، کیونکہ: ''حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے، جہاں اس کو پائے، وہ اس کا زیادہ حقدار ہے'' [ابن ماجہ، ترمذی]۔ وہ حکمت اسلام کا ہی حصہ ہے۔

ان امور میں ایک اور بڑا نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ سب سے بڑی حکمت اللہ پر ایمان اور آخرت کی تیاری ہے، اگر مندرجہ بالا دائرے اس بڑے دائرے کے اندر ہوں تو ان میں حکمت، اسی بڑی حکمت کا حصہ ہوگی، اور اگر ان کا مطمح نظر صرف یہ دنیا ہو تو ان میں حکمت محدود ہوجائے گی، اسی طرح جیسے کہ ایک مومن اور غیر مومن کی حکمت میں فرق ہوتا ہے۔

یہ سوال کہ اللہ اور آخرت کو نہ ماننے والوں میں حکمت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دینی اصطلاح میں تو حکمت نہیں ہوتی، لیکن دنیوی معاملات کی سمجھ ہوسکتی ہے، اور یہ سمجھ بھی محدود ہوتی ہے، اسے ہم محدود م حکمت یا حکمت کا جزء کہہ سکتے ہیں۔

مومنانہ فراست و حکمت

۱- اسلام وہ دین ہے جس میں زندگی کے دائرے الگ الگ نہیں، بلکہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اور سب کاموں کی آخری نیت ایک ہی ہوتی ہے، اس لیے کسی ایک معاملے یا دائرے میں مومن کی حکمت، اس معاملے کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔

۲- مومن کی حکمت یک رخی نہیں بلکہ زندگی کے ہر دائرے میں ہوتی ہے اور مقصد حقیقی کو مضبوط کرتی ہے، اسی طرح مختلف دائروں میں حکمت مختلف اور متصادم نہیں ہوتی۔

۳- چونکہ حکمت کی چوٹی، اللہ کا خوف ہے [ابوداؤد] اور اللہ کا خوف، باقی ہر قسم کے خوف سے آزاد کردیتا ہے، اس لیے مومن دنیوی خوف اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہوکر رائے بنا سکتا ہے، عمل کرسکتا ہے، اس طرح اس کا ذہن کھلا رہتا ہے، جو حکمت کی نشانی ہے، صحیح اور غلط کو الگ کرنے کی صلاحیت، حکمت کا ایک پہلو ہے۔

''ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقاناً'' [الانفال ۸:۲۹] (اگر تم خدا ترسی اختیار کروگے تو اللہ تمہارے لیے کسوٹی بہم پہنچادے گا)۔

۴- اسلام کل کے لیے تیاری اور اس تیاری کے لیے موجودہ حالت کو غنیمت جاننے کی سوچ اور فکر دیتا ہے، اس لیے مومن میں پیش بینی کی حکمت پائی جاتی ہے۔

۵- مومن کے سامنے عمل کی کوئی حد نہیں ہوتی، اگلی سے اگلی منزل اس سامنے ہوتی ہے، یہ وسعت نظری بھی اس کی حکمت کو بڑھاتی ہے۔

۶- مومن جغرافیائی، نسلی حد بندیوں کو قبول کرتے ہوئے بھی ان سے بہت اوپر اٹھ کر سوچتا ہے، یہ بھی اس کی وسعت نظری کا سبب ہے۔

۷- قرآن میں جگہ جگہ غور وفکر، تدبر، تفقہ کی ترغیب ملتی ہے، اس غور وفکر کی اگلی منزل حکمت ہی ہوتی ہے۔

۸- قرآن آیات انفس وآفاق کے مشاہدے کی دعوت دیتا ہے، اس سے مومن کی قوت مشاہدہ اور اس سے استنباط کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے، جو حکمت کی طرف لے جانے والی قوت ہے۔

۹- اسلام ہی مومن کو یہ علم دیتا ہے کہ کچھ اصول غیر متزلزل ہوتے ہیں اور پھر ان کے بعد حلال، مباحات یا لچک کا کھلا میدان ہے، اس لچک کو ختم کرنے کا اختیار بھی انسان کے پاس نہیں۔

حدود کے اندر رہتے ہوئے، مختلف راستوں کو استعمال کرنے میں مومن کا جمود اور سختی ختم ہوجاتی ہے، نئے راستے کو اختیار کرنے کا نام بھی حکمت ہے۔

۱۰- اسلام ضبط نفس سکھاتا ہے۔ صبر وتحمل کے

فضائل بتا کر، عبادات کے نظام میں منہمک کر اور ہر قدم پر قربانی کا راستہ دکھا کر، ضبط نفس کی وجہ سے مومن کی معروضی سوچ اور حکمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۱۱-اس کے پاس انسانی سطح سے اٹھ کر وحی کی رہنمائی موجود ہے، اس کی حکمت کتاب الٰہی اور حکمت انبیاء سے روشنی پاتی ہے، قرآن وحدیث ہر مرحلے پر اس کے لیے نئے دریچے وا کرتے ہیں۔

۱۲-مومن حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے جو خود اس کی حکمت میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔

۱۳-سب سے بڑھ کر یہ کہ مومن کے ساتھ اللہ ہے جو ہر مرحلے پر خود مومن کا ہاتھ اور آنکھ بن کر اس کی رہنمائی کرتا ہے اور اسے حکمت کی راہ سجھاتا ہے۔

حکمت کے اصول

حکمت عطائے ربانی ہے اور اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، قرآنی آیات میں حکمت کے نزول کا ذکر ہے: "يؤتي الحكمة من يشاء و من يؤت الحكمة فقد أوتي خيراً كثيراً" [البقرة ۲۶۹:۲] (وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے، اور اس کو حکمت ملی، اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی) لیکن انسان اپنے آپ کو حکمت کا حق دار بنا سکتا ہے، خاص کوشش کر کے اور اللہ سے حکمت کی طلب ودعا کر کے اللہ کی عطا کا دروازہ کھل سکتا ہے۔

اللہ کی معرفت اور خوف: غیر مومن کی حکمت جزوی ہونے اور مومن کی حکمت زیادہ ہونے کے کچھ اسباب ہیں، اس لیے ایمان میں اضافہ اور اللہ کی معرفت اور خوف، حکمت میں اضافے کا بھی سبب ہوتا ہے۔

آخرت کی یاد: سب سے بڑی حکمت ہونے کے حوالے سے، اصل منزل (آخرت) نگاہوں کے سامنے رہے، تو انسان کی بصیرت اور قوت فیصلہ کے لیے بہت اہم ہے۔

ترک گناہ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں نے وقیع سے برے حافظے کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترک گناہ کی تاکید کی اور مجھے بتایا کہ علم اللہ کا نور ہے، اور نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا، یعنی ترک گناہ، حکمت کے ایک جز، یعنی حافظے کے لیے ایک نسخہ ہے۔

زہد اختیار کرنا: "جو بندہ بھی زہد اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت میں اگائے گا، اور اس کی زبان پر حکمت جاری کرے گا اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور اس کا علاج اس کو دکھا دے گا، اور دنیا سے اسے سلامتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچا دے گا"۔ [بیہقی]

"جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اسے دنیا سے بے رغبتی اور کم سخنی عطا ہوئی ہے، تو اس کی صحبت میں رہا کرو، کیونکہ ایسے بندے پر حکمت کا القا ہوتا ہے"۔ [بیہقی]

خاموشی کے وقفوں کو، یکسوئی کے ساتھ غور و فکر کے لیے استعمال کریں

علم میں اضافے کی کوشش: کثرت علم کا ہر ذریعہ استعمال کیا جائے، حکمت کے جو اجزائے جہاں سے ملیں، علم ہو یا تجربات کی شکل میں، اسے لے لیا جائے، مشاہدے اور مطالعے کے لیے مسلسل محنت کی جائے۔

علم اور عمل: علم کو عمل میں ڈھالنے سے بھی علم کی معنویت کھلتی جاتی ہے، اور حکمت میں اضافہ ہوتا ہے، بصورت دیگر علم بھی رخصت (زنگ آلود) ہوتا جاتا ہے۔

صبر وتحمل: صبر وتحمل اور بردباری کو شعوری طور اپنانا بھی حکمت کا ذریعہ ہے۔

حکمت کا استعمال: حکمت کے استعمال سے بھی حکمت بڑھتی ہے، حکمت کے استعمال کا طریقہ

صحیحین کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ: "دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے، ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے، اور دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے"۔ [بخاری]

دعا: حکمت کے حصول، علم نافع اور چیزوں کے حقائق دکھانے کے لیے کیجیے:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

"رب اشرح لي صدري، ويسر لي امري، واحلل عقدة من لساني، يفقهوا قولي" [طٰہٰ۲۰:۲۵] (پروردگار! میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے، اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں)۔

"اللّٰهم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه" (اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عنایت فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عنایت فرما)۔

"رب هب لي حكماً وألحقني بالصالحين" [الشعراء۲۶:۸۳] (اے میرے رب! مجھے حکم عطا کر، اور مجھ کو صالحوں کے ساتھ ملا)۔

اہل حکمت کی صحبت: اہل حکمت سے اپنے لیے دعا کروائیں، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکؐ نے مجھے اپنے سینے سے لگایا، اور فرمایا: اللّٰهم علّمه الحكمة (اے اللہ! اسے حکمت سکھادے) [بخاری]، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بعد میں الحبر (بہت بڑے عالم) البحر (علم کا سمندر)، ترجمان القرآن اور امام المفسرین کہلائے۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں چائے نہیں پیوں گا، اگر وہ اپنی قسم بھول گیا اور چائے پی لی، بعد میں اس کو اپنی قسم یاد آئی تو اب وہ کیا کرے؟ کیا اسے اس قسم کا کفارہ دینا پڑے گا؟

جواب: بھول کر بھی قسم کے خلاف کرنے سے قسم ٹوٹ جاتی ہے اور کفارہ دینا پڑتا ہے، اور کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو صبح وشام دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے یا دس غریبوں کو کپڑے پہنائے، اگر یہ نہ ہو سکے تو تین روزے مسلسل رکھے۔[ردالمحتار:ج۳/ص۶۲]

سوال: ایک شخص نے کسی معاملہ میں اپنے کو بچانے کے لیے جھوٹی قسم کھالی اور قرآن مجید ہاتھ میں اٹھالیا، اب وہ بے حد خوفزدہ ہے، کیا کرے؟ کیا اس کو عذاب ہوگا؟ اگر عذاب ہوگا تو اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

جواب: جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے، اور قرآن مجید ہاتھ میں اٹھا کر جھوٹی قسم کھانا اور بھی خطرناک ہے، آخرت میں عذاب تو ثابت ہے، اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس کا کبھی کبھی وبال آتا ہے، اس لیے ایسے شخص کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرے اور استغفار کرتا رہے اور اس کے وبال سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے اور دعا کرتا رہے، ساتھ ہی جھوٹی قسم کھا کر جن لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالا ہے، ان کی غلط فہمی بھی سچ بول کر دور کرے۔[مجمع الانہر:ج۲/ص۲۶۱]

سوال: دو مسلمان آپس میں کچھ معاہدے کے ساتھ کاروبار کر رہے تھے، بعد میں دونوں میں اختلاف ہوگیا، ایک نے معاہدہ توڑ دیا اور خلاف ورزی کی ہے، کیا اس میں کوئی کفارہ ہے؟

جواب: اگر قسم نہیں کھائی تھی بلکہ صرف معاہدہ کیا تھا اور بلاوجہ معاہدہ توڑ دیا تو اس سے گناہ ہوا، اگر کسی خاص وجہ سے معاہدہ توڑا ہے تو گناہ نہیں ہوگا، گناہ ہونے کی صورت میں توبہ واستغفار لازم ہے، اور قسم کی صورت میں کفارہ لازم ہے، اور کفارہ کا ذکر اوپر موجود ہے۔[ردالمحتار:ج۳/ص۷۲۵]

سوال: ایک شخص کی اپنی بیوی سے بحث وتکرار ہوئی اور قسم کھائی کہ سسرال کی کوئی چیز نہیں کھاؤں گا، اب خوشدامن پریشان ہیں اور وہ کھلانا چاہتی ہیں، اس کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: قسم کھانے سے قسم لازم ہوگی اور اس کی صورت یہ ہے کہ سسرال سے دی ہوئی کوئی چیز کھا کر قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کردے، کفارہ میں دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا تین روزے مسلسل رکھنا ہے۔[حوالہ سابق]

سوال: ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں دوست کی کوئی چیز نہیں کھاؤں گا، بعد میں دوست نے ایک عمدہ کھانے کی چیز ہبہ کردی، اس نے ہبہ شدہ چیز اپنی ملک سمجھ کر کھالی تو کیا اس صورت میں وہ حانث ہوجائے گا اور قسم کا کفارہ دینا پڑے گا؟

جواب: جب دوست کی کسی چیز نہ کھانے کی قسم کھائی تو اب کھا لینے سے وہ حانث ہوجائے گا، خواہ اسے ہبہ ہی کیوں نہ کردیا گیا ہو، کیونکہ عرف ورواج میں اس قسم کی چیز دینے والے ہی کی چیز سمجھی جاتی ہے اور یہ صورت یہاں موجود ہے، اس لیے کفارہ دینا لازم ہے۔[فتاویٰ ہندیہ:ج۲/ص۸۳]

سوال: ایک شخص نے قسم کھائی تھی کہ اپنے بھائی کی کوئی چیز نہیں لوں گا، ایک چیز کی ضرورت پڑگئی اور اس نے بطور قرض بھائی سے وہ چیز لے لی تو اس صورت میں کیا وہ حانث ہوجائے گا، اور کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

جواب: قرض لینے کی صورت میں انسان اس چیز کا مالک ہوجاتا ہے، اس لیے اس میں وہ حانث نہیں ہوگا اور نہ کفارہ دینا ہوگا۔[حوالہ سابق]

سوال: ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ میرا بچہ اگر بیماری سے صحت یاب ہوگیا تو میں ایک کوئنٹل گیہوں صدقہ کروں گا، اب وہ بچہ ماشاء اللہ صحت یاب ہوگیا، اب وہ چاہتا ہے کہ گیہوں کے بجائے روپے صدقہ کردے تو اس کی اجازت ہوگی؟

جواب: گیہوں یا اس کی قیمت دونوں میں کوئی بھی صدقہ کردے تو نذر ادا ہوجائے گی، فتاویٰ قاضی خاں میں اس قسم کے واقعہ میں جواز کی صراحت موجود ہے۔[فتاویٰ قاضی خاں:ج۱/ص۱۶۹]

سوال: اگر کوئی اپنے لڑکے پر غصہ ہوکر کہے کہ تیری کمائی میرے لیے حرام ہے اور مرنے کے بعد تم میری قبر پر مٹی نہ ڈالنا، اب اگر وہ شخص اپنے بیٹے کی کمائی کھانا چاہے تو کیا صورت ہوگی؟ اور بیٹا باپ کی وفات کے بعد کفن دفن میں شریک ہو تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟

جواب: اگر کوئی شخص کوئی حلال چیز اپنے اوپر حرام کرلے تو اس کے حرام کرنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوگی بلکہ اس کا استعمال اسی طرح جائز اور حلال رہے گا، البتہ قسم کھانے کی وجہ سے قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہوگا، لہٰذا باپ بیٹے کی کمائی کھائے اور کفارہ ادا کرے، اور بیٹا کفن دفن میں شریک ہو، شرعاً اس کی اجازت ہی نہیں بلکہ تاکید وہدایت ہے۔[شرح التنویر:ج۳/ص۶۳]

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA

PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW

226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء

پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ

۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

Date 10 August 2021 ______ تاریخ

اہل خیر حضرات سے!

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی و دینی تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہا ہے اور ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لئے ندوۃ العلماء قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانے میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماعیت کی کوشش، فتنہ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علومِ اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ رمضان المبارک کے موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ، سفرا و محصلین آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہو کر صدقات و عطیات کی وصولیابی کا کام انجام دیتے ہیں، لیکن اس وقت پورے ملک میں کورونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاؤن ہے، ایسے حالات میں سفر کرنا دشوار ہے۔ اس لئے آپ کے عطیات کی فراہمی بینک کے ذریعہ ہی بہتر ہے۔

لہٰذا آپ حضرات سے گذارش ہے کہ اپنے صدقات و عطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(پروفیسر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحی حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

عطیات	A/c. No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c. No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c. No. 1086 3759 766

ONLINE DONATION LINK

https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA

Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 7275265518

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیرا الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا